جامعہ مدنیہ لاہور کا علمی، دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ

سرپرست

استاذ العلماء حضرة مولانا سید حامد میاں مدظلہ مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ مدنیہ لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

ماہنامہ

انوارِ مدینہ

لاہور

جلد : ۱
شمارہ : ۵
قیمت :
۵۰ پیسے

شعبان سنہ ۱۳۹۰ھ
اکتوبر سنہ ۱۹۷۰ء
فون :
۶۲۹۳۲

مدیرِ اعزازی : پروفیسر یوسف سلیم چشتی
مدیرِ معاون : حبیب الرحمٰن اشرف

اس شمارہ میں

افتتاحیہ		۲
اولئک ہم الراشدون	حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندی	۸
شیخ الاسلام کی ایک تقریر	....	۱۸
الامیون	حضرت مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی	۲۳
علم دین کی فضیلت	حضرت مولانا ظہور الحق صاحب	۴۵
ہدیۂ عقیدت	جناب احسان دانش	۴۷
صوم کی ...... خصوصیات	حضرت مولانا محی الدین صاحب	۴۸
انوارِ مدینہ	حضرت مولانا عبد الواحد صاحب دیوبندی	۵۳
سادات ہمدانی قصور کے قلمی نوادر	سید محمد یحییٰ ہمدانی	۵۵
جامعہ مدنیہ کا اجمالی تعارف	محمود احمد صاحب عارف	۵۷
روزہ کے مسائل ۶۰	تاثرات	۶۳

سید حامد میاں مہتمم جامعہ مدنیہ طابع وناشر نے مکتبہ جدید پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ انوار مدینہ جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

صدر جمال مرحوم

اُن کے مجاہدانہ کارنامے - اسلامی خدمات اَور خلوص

صدر موصوف کا جن القاب سے بھی ذکر کیا جائے وُہ ان کے اہل تھے انہوں نے انگریز دشمنی اب جسے سامراج دشمنی کہا جانے لگا ہے ، میں اور ردِّ عیسائیت میں بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے - انگریز دشمنی تو عیاں ہے - ردِّ عیسائیت میں بھی ناصر مرحوم نے بڑا کارنامہ یہ انجام دیا کہ آزادیٔ مصر کے بعد جب افریقہ کے تمام نو آزاد ممالک میں سے یورپین حکومتوں کا اقتدار اُٹھنے لگا . تو انہوں نے پوری کوشش کی کہ ان محکوم اقوام میں اپنے مُبلّغ پھیلا جائیں کہ اگر وُہ خوُد نہ رہیں تو ان کا مذہب ہی حکمران رہے -

اس سازش کو صدر ناصر نے بھانپ لیا اور پوُری قوت سے مقابلہ کرنے کے لیے تقریباً اپنے دس ہزار مُبلّغ تمام افریقہ میں پھیلا دیئے جس کے تمام مصارف حکومتِ مصر برداشت کرتی رہی . صدر مرحوم نے اشاعتِ دین کے لیے دنیا کے اور ممالک میں بھی مُبلّغ بھیجے چنانچہ دارالعلوم دیوبند میں ہمیشہ ان کے دو آدمی رہتے ہیں - اسی طرح پاکستان کے بعض مدارس میں بھی ہیں . جو قراءت سکھاتے ہیں .

صدر مرحوم کا ایک کارنامہ یہ بھی تھا کہ انہوں نے ایک ریڈیو سٹیشن صرف قرآن کریم کی تلاوت نشر کرنے کے لیے وقف کیا - جس پر چودہ گھنٹے تلاوت ہوتی رہتی تھی جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اُنھیں قرآن کریم سے کتنا شغف تھا -

حضرت مولانا محمد طیّب صاحب مدظلہم العالی سے مَیں نے مصر کے تازہ حالات دریافت کئے . تو انہوں نے فرمایا کہ اس دفعہ میرا قیام زیادہ نہیں رہا - مَیں نے دریافت کیا کہ کیا یہ صحیح ہے کہ مصری باشندوں کو قرآن پاک سے بہت شغف ہے ؟ حضرت مولانا نے ارشاد فرمایا کہ یہ صحیح ہے . ہم نے دیکھا ہے . کہ اگر سپاہی کو بھی تھوڑا بہت وقت مل جاتا ہے تو وُہ ٹرانسسٹر پر قرآن پاک سننا شروع کر دیتا ہے . قرآن پاک

کی خدمت کے ذیل میں ایک خدمت جو جمال مرحوم نے انجام دی یہ تھی کہ ایک دفعہ اسرائیلیوں نے نہایت عمدہ طرح قرآن پاک طبع کرایا۔ اور اس میں سے وہ آیات حذف کر دیں جن میں یہود کا ذکر تھا۔ اس کے نسخے تمام افریقی مسلمانوں میں مفت تقسیم کرا دیئے۔ صدر مرحوم نے اسی قدر خوب صورت انداز میں قرآن پاک طبع کرا کر اسی طرح تقسیم کرایا۔ اور اسرائیلی غلط نسخے واپس لے کر ختم کرا دیئے۔

اسی سال (۷۰ء) میں ایک عالم دین ایک سواتی انجمن کی طرف سے مصر تشریف لے گئے واپسی پر انہوں نے بتایا کہ مصر میں اسلامی علوم کی ریسرچ کے اتنے بڑے بڑے مراکز ہیں کہ اگر مصر کا یہ کام ایک طرف رکھا جائے اور ساری دنیا کا تعلیمی و تبلیغی کام ایک طرف رکھا جائے تو اس کے برابر نہیں ہو سکتا۔ صدر ناصر ہر سال ہر ملک سے علماء کرام کو دعوت دیتے تھے ان کے مصارفِ سفر برداشت کرتے تھے اور ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوا کرتی تھی۔ جنگ ۶۷ء سے پہلے تک ہر ملک سے کئی کئی نمائندے بلائے جاتے تھے۔ اس کے بعد سے ہر ملک سے ایک ایک نمائندہ عالم بلایا جاتا رہا ہے۔ شاید آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری رہے۔

یہ صدر مرحوم کے وہ کارنامے ہیں جو بطور نمونہ سامنے رکھے جا سکتے ہیں۔ اسی لیے خداوند کریم نے ان کو اچھی موت نصیب فرمائی۔ اور بقول بعض بزرگانِ سلف اہلِ حق و اہلِ باطل اور حقیقی قبولیت اور بادشاہوں کی جبری قبولیت کے درمیان امتیاز جنازوں پر ہوتا ہے۔ صدر مرحوم کے جنازہ نے تبلا دیا کہ ان کی حکمرانی دلوں پر اور بھی زیادہ تھی۔ جب سے دنیا بنی ہے غالباً آج تک کسی کے جنازے پر اتنی بڑی تعداد میں لوگوں نے نماز نہ پڑھی ہوگی۔

جب وہ برسر اقتدار آئے تو عربی مزاج کے مطابق پوری قوت سے آئے لیکن یہ اقدام اور یہ انداز باطل کو دبانے کے لیے تھا۔ اس لیے کچھ ہی روز بعد پوری مصری قوم صدر ناصر کی مداح ہو گئی۔ اور ان کی مقبولیت بڑھتی ہی چلی گئی۔ ان کا اخلاص سامنے آیا تو قوم دیوانہ وار فدا ہوتی چلی گئی۔ انہوں نے اپنے ملک میں ایک طرف یوروپین طاقتوں کا بائیکاٹ کیا تو دوسری طرف کمیونسٹ جماعت خلافِ قانون قرار دی۔ اور اس کے لٹریچر پر پابندی لگا دی۔

صدر جمال ناصر جب برسر اقتدار آئے۔ اس وقت ان کے ملک میں بعض مذہب کا نام لینے والی تنظیمیں یوروپین اقوام کی آلہ کار تھیں اس لیے ان پر پابندیاں لگا دیں۔ ان کی لپیٹ میں ہماری جماعت

تبلیغ بھی آگئی - اس پر بھی انہوں نے پابندی ہی رکھی - زیادہ سے زیادہ اپنے ملک سے گزرنے کا ویزا دے دیتے تھے -

جمال ناصر کے اخلاص کی یہ بات ہے کہ وُہ صدر مملکت ہونے کے باوجو لیفٹیننٹ کرنل کے درجہ پر ہی رہے - یعنی اپنی تنخواہ اور رہائش اسی درجہ کی رکھی - ان کے بچّے عوام کے بچوں ہی کی طرح پڑھنے جاتے اور سب کی طرح ان کا بھی ارتقائی استحقاق گھٹتا بڑھتا رہا - ان کی وفات کے بعد ان کے اہلِ خانہ اور متعلقین کے لیے رہائش کا الگ بندوبست کیا گیا - ان کے لیے وظیفہ مقرر ہوا - اور جمال ناصر مرحوم کی کوٹھی ان کے بلند کردار کی نشانی کے طور پر ایک قومی یادگار بنا دی گئی - اہلِ مصر اس فرزند جلیل کی وجہ سے مستحق صد مبارکباد ہیں - اللہ تعالیٰ ان کو ناصر کا بدل عطا فرمائے اور اُن کی شکستوں کو فتح مبین سے بدل دے - آمین

صدر ناصر اور ان کی حکومت پر جو اعتراضات ہوتے ہیں ان کی حقیقت مذکورہ بالا کارناموں کی روشنی میں دیکھنا اور جو مصری سفارتخانے تردید کرتے رہے ہیں اسے صحیح سمجھنا ہی ضروری ہے ۔

۶۴ء کی بات ہے کہ مکہ معظمہ میں میری اُن حضرات سے ملاقات ہُوئی جو پاکستان کی نمائندگی میں مصر گئے تھے - انہوں نے بتلایا کہ صدر ناصر نے اس سال ایک ریڈیو سٹیشن قائم کیا ہے - جس میں چودہ گھنٹے تلاوت قرآنِ پاک نشر ہُوا کرے گی - اور اس کا افتتاح بھی ہو گیا ہے - نیز وہاں ہمارے اجتماع میں یہ اعلان کرایا گیا کہ حکومت مصر کے نام میں الاسلامیہ کے لفظ کا اضافہ بھی کافی جدوجہد سے صدر مرحوم نے منظور کرا لیا ہے - سکندریہ کے عیسائی باشندے مزاحمت کر رہے تھے -

ان ممالک کے معاملات پر غور کرنے کے لیے یہ امر بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے - کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے اب تک اسلامی حکم کے مُطابق وہاں عیسائیوں (اور غیر مسلموں) کے مذہبی امور میں کبھی مداخلت نہیں کی گئی - انہیں مسلمان ہو جانے پر مجبور نہیں کیا گیا - اس لیے وہ لوگ وہاں آباد چلے آ رہے ہیں - اور اس صدی میں ان علاقوں سے یورپین تسلط ہٹانے میں وہ بھی مسلمانوں کے دوش بدوش رہے ہیں - اس لیے ملکی معاملات میں انہیں ان علاقوں کی حکومتیں کبھی بھی نظر انداز نہیں کر سکتیں نہ ہی جمہوریت ختم کر سکتی ہیں - خصوصًا جبکہ وہاں کے عیسائی ملکی مفادات میں اور ملکی آزادی میں درست کردار ثابت ہوئے ہیں -

آزادیٔ فلسطین کی تنظیموں میں اسرائیل کے خلاف مسلمانوں کے دوش بدوش عیسائی بھی بر سرِ پیکار ہیں اور آپ اخبارات میں ان کے نام پڑھتے ہیں۔

ان مسائل پر ہم اگر اُن کے نقطۂ نظر سے غور کریں تو اشکالات رفع ہو جاتے ہیں۔

بعض احباب یہ سوال کرتے ہیں کہ جب اہل مصر کو قرآن پاک سے اتنا تعلق ہے تو انہیں شکست کیوں ہوئی اس کا جواب یہ ہے کہ شکست کے اسباب بہت ہوا کرتے ہیں۔ جنگ اُحد میں صحابہ کرام کی ذرا سی لغزش سے فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔ حنین کے موقع پر شریک حضرات کی نظر اپنی کثرت اور کثرت ساز و سامان پر گئی تھی۔ اس لیے ایک دفعہ کو شکست کا منظر سامنے لایا گیا۔ پھر کامیابی عطا ہوئی اور بعض دفعہ شکست دیکر کسی قوم کو مضبوط بنایا جاتا ہے۔ جیسے ہلاکو خاں وغیرہ کے وقت مسلمانوں کے ساتھ ہوا۔ اسی طرح پوری قوم کی برائیاں ختم کر کے اس کی اصلاح و مضبوطی منظور الٰہی ہوتی ہے اور یہ عمل برسوں میں مکمل ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں دوسری اور تیسری وجہ ہو۔ ایسی شکست اقوام عالم کو بارہا ہوتی رہی مگر اس کے بعد انہیں قوت و غلبہ عطا ہوا۔

احادیث مقدسہ کی روشنی میں جو اندازہ ہوتا ہے وُہ بھی یہی ہے کہ اس خطۂ زمین پر ایسا ہی کچھ ہوگا۔ اب تک اس کے آثار نہ تھے اب وُہ آثار پیدا ہو گئے ہیں۔ حقیقی شکست وہ ہے کہ ایک پہلوان کی طرح دُوسرے کے مقابلے میں پوری قوم ہمت ہی ہار بیٹھے۔ بحمد اللہ یہ بات وہاں نہیں پائی جا رہی۔

اللھم انصر الاسلام والمسلمین واخذل الکفار والمنافقین ۔ اٰمین

موت العالِم موت العالَم

حضرت اقدس مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ العزیز کے جلیل القدر خلیفہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ بانیٔ خیر المدارس و شیخ الحدیث کی وفات حسرت آیات باعمل علماء میں ایک رکنِ عظیم کا انہدام ہے۔

حضرت مولانا کا وجود مسعود مجموعۂ خیرات تھا۔ ان کے اسم گرامی کا مبدء الجز بھی خیر ہی تھا۔ آپ نے ایک عظیم درسگاہ اپنی یادگار اور اپنے لیے صدقۂ جاریہ چھوڑا ہے۔ تقبل اللہ منا ومنہ آمین۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی سے علماء دیوبند کے تمام طبقات مانوس تھے ۔ اور ہر پیچیدہ موڑ پر آپ کی ذات والا صفات اجتماعیتِ افکار کا ذریعہ بن جاتی تھی ۔ ارا کینِ جامعہ مدنیہ آپ کے جملہ متوسلین و اقارب کے غم میں برابر کے شریک ہیں ۔ اللہ تعالیٰ انہیں اور ہمیں اس صدمہ پر اجر مرحمت فرمائے ۔ ان کے صدقات جاریہ کو قائم رکھے اور ان کے درجات بلند فرمائے ۔ اللھم ارض عنا وعنہ واجعل الفردوس مأواہ ۔ آمین

افسوس ناک حادثہ

پولینڈ کے نائب وزیر خارجہ کا حادثہ انتہائی المناک حادثہ ہے ۔ یہ المیہ جس طرح قانونی اور اخلاقی جرم ہے ۔ اسی طرح مذہبی بھی ہے اور ہم اسے فقط مذہبی حیثیت سے ہی ذکر کر رہے ہیں پاکستان یا کسی بھی اسلامی حکومت میں باجازت حکومت آنے والے غیر مسلم مہمان شرعاً مامون ہوتے ہیں اور جس کو پناہ دے دی جائے اس کی جان و مال کی حفاظت ہر چھوٹے بڑے کا فرض ہوتا ہے ۔

جن لوگوں سے حکومت کا معاہدہ ہو ۔ ان کے ساتھ بدعہدی کرنے پر سخت وعید آئی ہے ۔

لایرح رائحۃ الجنۃ ۔ وہ جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکے گا ۔

اور اس سے زیادہ بدعہدی کی بھیانک مثال کیا ہو سکتی ہے ۔ جو ان مسافروں کے ساتھ غفلت میں کی گئی ۔

وہ اپنے ملک کے نمائندے اور سفیر بھی تھے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی سفیر کو نہیں مارا ۔ حضرت وحشی جو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ عم نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قاتل تھے ۔ فتح مکہ کے موقعہ پر بھاگ گئے تھے کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا تھا کہ اگر وہ کسی کو ملیں تو انہیں قتل کر دیا جائے ۔

حضرت وحشی نے سنا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرستادوں (سفیروں) کو نہیں مارتے اس لیے وہ بھی اہل طائف وغیرہ کے سفیروں کے ساتھ سفیر بن کر حاضر خدمت ہو گئے ۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں باوجود اپنے عزیز ترین چچا کے قاتل ہونے کے کوئی گزند نہیں پہونچائی ۔ وہ بھی اخلاق کریمانہ دیکھ کر مسلمان ہو گئے البتہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے سامنے نہ آنا اس لیے وہ کبھی بعد میں

سامنے نہیں حاضر ہوتے۔

اسلام اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتا ہے وسعتِ فکر و نظر پیدا کرتا ہے۔ اور مکمل طور پر با اصول مذہب ہے یہ سمجھ لینا کہ بے اصولی کر کے کوئی اسلام کی خدمت کر رہا ہے۔ ابلہ فریبی ہے اور اسلامی اصول توڑ کر خدا کا مقرب بننے کی خواہش جہالت کی بدترین مثال ہے۔ حادثہ کرنے والے نے یہ حادثہ کر کے کونسی اسلامی خدمت انجام دی ہے۔ اِس نے بجائے اس کے کہ وُہ اسلامی اصول پیش کر کے غیر مسلموں کے دل میں اسلام اتارتا ایک اسلام سے دور قوم کے دل میں اسلام اور مذہب سے نفرت کا بیج بو دیا۔

ہم اس حادثے پر اہلِ پاکستان کی طرف سے اہلِ پولینڈ کو تعزیت پیش کرتے ہیں اور انہیں یقین دلاتے ہیں کہ اس فعل کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں یہ صرف جہالت کا شاخسانہ ہے اگر اسلام کی یہ تعلیم ہوتی تو عہدِ فاروقی کے مفتوحہ علاقوں میں اس وقت غیر مسلموں کو ختم کر دیا گیا ہوتا (اور ہندوستان میں کوئی ہندو نہ رہا ہوتا) لیکن ساری دنیا جانتی ہے کہ وُہ آج تک وہیں آباد ہیں اور مطمئن ہیں۔ اسلام ہمیشہ اخلاق کے ذریعہ پھیلا ہے۔ انڈونیشیا وغیرہ میں کبھی افواج اسلامیہ نہیں گئیں۔ اخلاق فاضلہ اور اعمال حسنہ گئے ہیں وُہ ہی اسلام پھیلانے کا موجب ہُوئے۔

حامد میاں

جامعہ مدنیہ کے لیے جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہم العالی کی اپیل

برادرانِ اسلام! اسلامی مدارس کی امداد کرنا حسب استطاعت ہر مسلمان پر لازم ہے۔ وہ یقیناً خوش قسمت ہیں جنہیں دینی داروں کی خدمت کا شرف حاصل ہے۔ لاہور شہر میں "جامعہ مدنیہ" ایک بہت بڑی دینی درس گاہ ہے جہاں اسلاف کے طرز پر شب و روز دینی تعلیم و تدریس کا مشغلہ سرگرم عمل رہتا ہے کثیر عملہ کی زیر نگرانی ہر سال سینکڑوں طلبہ یہاں علومِ دینیہ سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ اسلئے یہ آپ کی جملہ عطایا کا بہترین مصرف ہے۔ بنا بریں اس کی دل کھول کر امداد کی جائے۔ اس کی امداد کی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ اسے حسب استطاعت ماہانہ چندہ دیا جائے۔ جسے ہر ماہ جامعہ کے سفیر خود آ کر وصول کر لیا کریں گے۔ بہت بہتر ہوگا کہ اس مبارک کام کا آغاز رمضان المبارک کے مقدس مہینے سے ہو جائے۔ مجھے اُمید ہے کہ اہل خیر حضرات اس دینی ادارہ کی کھلے دل سے امداد فرمائیں گے۔ اور اس نیک کام کی ابتداء اس مبارک مہینے سے فرمائیں گے۔

احقر عبید اللہ انور

فتنوں کی سرکوبی

خلافت و ملوکیت کے جواب میں

اولٰئک ھم الراشدون

شیخ الحدیث حضرۃ مولانا **سید محمد میاں** دامت برکاتہم

حضرت موصوف نے یہ طویل تحقیقی مضمون "خلافت و ملوکیت" کے بارے میں ایک صاحب کے چند سوالات کے جواب میں تحریر فرمایا ہے

سوالات

(۱) مودودی صاحب نے کتاب " خلافت و ملوکیت " جو تصنیف کی ہے، اس کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے ؟

(۲) جماعتِ اسلامی قرآن و حدیث کی روشنی میں کیسی جماعت ہے ؟

(۳) بعض دیوبندی علماء، جو مودودی صاحب کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں، قرآن و حدیث کی روشنی میں وہ کیسے ہیں ؟ ——— حافظ محمد افضل

جوابات

جواب سوال ۱ :- یہ کتاب حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے سوء اعتقاد اور بدگمانی کا تخم ہے۔ کتاب کا حاصل یہ ہے کہ وہ ملوکیت جس نے خلافتِ راشدہ کے وجود کو صفحۂ سیاست سے نیست و نابود کیا، اس کے آغاز کی ذمہ داری سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی پالیسی ہے، آپ نے وہ پالیسی اختیار کی جس کا لازمی اور قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ قبائلیت کی دبی ہوئی چنگاریاں پھر سلگ اٹھیں جس کا شعلہ خلافت راشدہ کے نظام کو ہی بھونک کر رہا۔ (خلافت و ملوکیت ص۱۰۱، باب سوم فصل ۶ کا آخری فقرہ)

ہم سمجھتے ہیں کہ مودودی صاحب نے اس انقلاب کا کہ خلافت کی جگہ ملوکیت آئی وہ سبب تجویز کیا ہے۔ جس کے تلاش کرنے کے لئے آپ کو نئی قسم کی دوربین استعمال کرنی پڑی اور کھلے ہوئے واضح اسباب جو بلا کسی خاص جستجو کے تاریخ کی کتابوں میں ہر صاحب بصیرت کے سامنے آجاتے ہیں۔ جن کی تائید آیات کتاب اللہ اور حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ ان سب کو نظر انداز کر کے ایسا سبب تلاش کرنا کہ فرق باطلہ کے سوا کوئی صحیح العقیدہ فرقہ یا کوئی انصاف پسند عالم اسکی تائید نہیں کرسکتا۔ تحقیق حق نہیں ہے بلکہ مسموم ذہنیت کا نتیجہ ہے۔

مودودی صاحب کا ارشاد ہے۔ جو تاریخی مواد اس بحث میں پیش کیا گیا ہے وہ تاریخ اسلام کی مستند کتابوں سے ماخوذ ہے۔ جتنے واقعات میں نے نقل کئے ہیں، ان کے پورے پورے حوالے درج کر دیئے ہیں اور کوئی ایک بات بھی بلا حوالہ بیان نہیں کی ہے (ص ۲۹۹ ضمیمہ)

ہم اس ارشادِ گرامی کی تردید نہیں کرتے، ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جو آپ نے لکھا ہے، اس کا حوالہ دیا ہے مگر ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ جو کچھ آپ نے لکھا ہے اور واقعات کی جو توجیہ آپ نے کی ہے وہ صحیح ہے۔ وہی واقعہ ہے "وَاَنتُمْ سُکَارٰی" کو چھوڑ کر صرف "لا تقربوا الصّلٰوۃ" کا لکھنے والا یہی کہہ سکتا ہے کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ قرآن میں ہے۔ جو حوالہ دے رہا ہوں، وہ صحیح ہے مگر اس کو تحقیقِ حق کہا جائے گا یا نسخ و تحریف اور تلبیس بالباطل۔

بظاہر مودودی صاحب کا احساس یہ ہے کہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق مسلمانوں کا حُسن اعتقاد حدِ اعتدال سے بڑھا ہوا ہے۔ وہ اتنی تعظیم و تکریم کے مستحق نہیں ہیں جتنی مسلمانوں کے عقائد کا جزو بنی ہوئی ہے۔ بس آپ کے اصلاحی مشق کا اہم یا تمامتر مقصد یہ ہے کہ اس عقیدتمندی کو ختم کیا جائے چنانچہ جب آپ نے جماعتِ اسلامی کی بنیاد رکھی تو اس کے دستور اساسی میں یہ حق اپنے لئے تسلیم کرا لیا۔

"رسُول خدا کے سوا کسی انسان کو معیارِ حق نہیں بنائے۔ کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے۔ کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو۔ ہر ایک کو خدا کے بنائے ہوئے اس معیارِ کامل پر جانچے اور پرکھے۔ اور جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجہ میں ہو اس کو اسی درجہ میں رکھے (دستور جماعت اسلامی کا بنیادی عقیدہ، جز دوم دفعہ ۶)

ایک اور موقعہ پر آپ نے فرمایا۔

"اگر کسی شخص کے احترام کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس پر کسی پہلو سے تنقید نہ کی جائے تو ہم اس

کو احترام نہیں سمجھتے بلکہ بُت پرستی سمجھتے ہیں اور اس بُت پرستی کو مٹانا منجملہ ان مقاصد کا ایک اہم مقصد ہے جس کو جماعتِ اسلامی اپنے پیش نظر رکھتی ہے"۔

(رسالہ ترجمان القرآن صـ ۳۲۷ بحوالہ اصلی قول فیصل)

مودودی صاحب نے اپنی اس تصنیف "خلافت و ملوکیت" میں اپنے اس حق کو آزادی سے استعمال کیا ہے۔ مثلاً آپ کا ارشاد ہے۔

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی کا یہ پہلو بلاشبہ غلط تھا اور غلط کام بہرحال غلط ہے خواہ وہ کسی نے کیا ہو۔ اس کو خواہ مخواہ کی سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ عقل و انصاف کا تقاضا ہے اور نہ دین ہی کا یہ مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے"

خلافت و ملوکیت صـ ۱۱۶

دوسرے موقعہ پر فرماتے ہیں۔

"بلاشبہ ہمارے لئے رسول اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ واجب الاحترام ہیں۔ اور بڑا ظلم کرتا ہے وہ شخص جو ان کی کسی غلطی کی وجہ سے ان کی ساری خدمات پر پانی پھیر دیتا ہے اور ان کے مرتبہ کو بھول کر گالیاں دینے پر اتر آتا ہے۔ مگر یہ بھی کچھ کم زیادتی نہیں ہے کہ اگر ان میں سے کسی نے غلط کام کیا تو ہم محض صحابیت کی رعایت سے اس کو اجتہاد قرار دینے کی کوشش کریں"۔

خلافت و ملوکیت صـ ۱۴۳

پھر ایک اور موقعہ پر فرماتے ہیں۔

"بعض حضرات اس معاملہ میں نرالا قاعدہ کلیہ پیش کرتے ہیں کہ ہم صحابہ کرام کے بارے میں صرف وہی روایات قبول کریں گے جو ان کی شان کے مطابق ہوں اور ہم اس بات کو رد کریں گے جس سے ان پر حرف آتا ہو خواہ وہ کسی حدیث میں وارد ہوئی ہو لیکن میں نہیں جانتا کہ محدثین، مفسرین و فقہا میں سے کسی نے یہ قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے اور کونسا محدث یا مفسر یا فقیہ ہے جس نے کبھی اس کی پیروی کی ہے"۔ (صـ ۳۰۵)

صحابہ کرام پر تنقید کا حق

ہم اس سے پہلے کہ اور باتوں پر بحث کریں۔ مودودی صاحب کے اس آخری فقرہ پر بحث ضروری سمجھتے ہیں۔

مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ "میں نہیں جانتا کہ محدّثین و مفسرین و فقہاء میں سے کسی نے یہ قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے۔"

حضرت مودودی صاحب! گزارش یہ ہے کہ یہ ایسا قاعدہ نہیں ہے جو محدّثین و مفسّرین یا فقہاء کے بیان کا محتاج ہو۔ بلکہ یہ اجماعی عقیدہ چلا آرہا ہے۔ عقائد کی کتابیں دنیا بھر میں پڑھی پڑھائی جاتی ہیں، اور ان پر تمام دنیا کے علمائے اہل سنت کا اتفاق چلا آرہا ہے۔ آپ کو سب سے پہلے اس "قاعدہ" کی تحقیق کرنے کے لئے کُتُبِ عقائد کی طرف رجوع کرنا چاہیئے تھا۔ تاکہ آپ کو معلوم ہو جاتا کہ یہ "قاعدہ ہے یا اس سے بھی بڑھ کر "عقیدہ" ہے۔

شرح عقائد نسفی میں ہے۔

ویکف عن ذکر الصحابۃ الا بخیر ...	صحابہ کرام کو صرف بھلائی کے ساتھ ہی یاد کیا جائے۔
الی ان قال	اس کے کچھ بعد فرماتے ہیں۔ ا
فسبھم والطعن فیھم ان کان یخالف الادلۃ القطعیۃ فکفر کقذف عائشۃ والا فبدعۃ وفسق۔ (شرح عقائد نسفی ص۱۱۲)	انہیں برا کہنا۔ ان کے بارے میں طعن کرنا دیا کفر ہے یا فسق و بدعت) اگر دلائل قطعیہ کے خلاف ہوتا ہے تو کفر ہوگا۔ جیسے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں تہمت لگانا۔ ورنہ یہ بدعت یا فسق ہوگا۔

ابن ھمام رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مسامرہ میں تحریر فرماتے ہیں

واعتقاد اھل السنۃ تزکیۃ جمیع الصحابۃ والثناء علیھم کما اثنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ علیھم اذ قال کنتم خیر امۃ اخرجت للناس وکذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص۳۱۳	اہلسنت کا عقیدہ تمام صحابہ کرام کو پاکیزہ ثابت کرنا اور ان کی تعریف کرنا ہے۔ جیسا کہ ان کی تعریف حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا ہے "تم سب امتوں سے بہتر ہو جو عالم میں بھیجی گئیں" پ۴ رکوع ۳)۔ اسی طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف فرمائی ہے۔

شرح مواقف میں ہے۔

.. انہ یجب تعظیم الصحابۃ کلھم	تمام کے تمام صحابہ کرام کی تعظیم اور ان کے بارے میں

والكف عن القدح فيهم لان الله تعالىٰ عظمهم
واثنى عليهم في غير موضع من كتابه
والرسول قد احبهم و اثنى عليهم في احاديث
كثيرة ثم ان من تامل سيرتهم ووقف
على مآثرهم وجدهم في الدين وبذلهم
اموالهم وانفسهم في نصرة الله ورسوله
لم يتخالجه شك في عظم شأنهم و
برأتهم عما ينسب اليه المبطلون من
المطاعن ومنعه، ذالك عن الطعن
منهم ورای ذالک مجانبا للايمان ونحن لا
نلوث كتابنا بامثال ذالك
(المتن من شرح المواقف ص۴۲۵)

اعتراض سے بچنا واجب ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے ان کو بڑا
بنایا اور قرآن پاک میں متعدد جگہ ان کی تعریف فرمائی ہے اور
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنا محبوب بتلایا ہے
اور بہت سی حدیثوں میں ان کی تعریف فرمائی ہے۔ پھر
یہ بات بھی ہے کہ جو ان کی سیرت کے بارے میں غور کرتا
ہے اور ان کی فضیلتوں اور دین کے بارے میں ان کی کوششوں
کو جان لیتا ہے اور ان کی جانی اور مالی قربانیاں دیکھتا ہے
کہ خدا کے دین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے
(انہوں نے کیا کیا) قربانیاں دی ہیں۔ اُسے ان کی عظمت
شان میں اور ان کی برأت میں کہ جو کچھ ان کی طرف باطل
پرستوں نے (غلط) الزامات منسوب کئے ہیں (وہ سب غلط
اور بے بنیاد ہیں) کوئی شک نہیں رہتا اور وہ (بالیقین)
جان لیتا ہے کہ یہی چیز ایمان کو بچانے والی ہے اور ہم
تو اپنی کتاب کو اِس قسم کی باتوں کے ذکر سے (بھی)
ملوث نہیں کرنا چاہیئے۔

یہ عقیدہ نیا نہیں ہے بلکہ صدر اول سے پُرانا چلا آرہا ہے۔ اسی لئے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی تحریر فرمایا ہے۔ آیئے ہم آپ کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف "عقیدہ طحاویہ" دکھاتے ہیں۔ اس میں ارشاد ہے۔

ونحب اصحاب رسول الله صلى الله تعالىٰ
عليه وسلم ولا نفرط في حب احد منهم
ونبغض من يبغضهم وبغير الخير يذكرهم
ولا نذكرهم الا بالخير وحبهم دين و
ايمان واحسان وبغضهم كفر ونفاق

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے محبت رکھتے
ہیں اور کسی کی محبت میں افراط و تفریط میں نہیں پڑتے اور
جو ان سے بغض رکھتا ہے یا بھلائی کے سوا کسی قسم کے اور
کلمات سے ذکر کرتا ہے۔ ہم اسے مبغوض جانتے
ہیں اور ہم صرف اچھائی ہی سے ان کا ذکر کرتے ہیں

وطغیان ونثبت الخلافة بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولا لابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تفضیلا وتقدیما علی جمیع الامۃ ثم لعمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم لعثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم لعلی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وھم الخلفاء الراشدون والائمۃ المھدیون۔

وان العشرۃ الذین سماھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نشھد لھم بالجنۃ کما شھد لھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقولہ الحق وھم ابوبکر وعمر وعثمان وعلی وطلحۃ والزبیر وسعد وسعید وعبدالرحمٰن ابن عوف وابوعبیدۃ بن الجراح وھو امین ھٰذہ الامۃ رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین۔

ومن احسن القول فی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفی ازواجہ وذریاتہ فقد بری من النفاق و علماء السلف من الصالحین والتابعین ومن بعدھم من

ان سے محبت رکھنا عین دین ہے، ان سے بغض رکھنا کفر، نفاق اور سرکشی ہے اور رسول اللہ کے بعد ہم سب سے پہلے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت ثابت کرتے ہیں کیونکہ وہ تمام امت میں سب سے افضل اور سب سے مقدم تھے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔ اور یہی خلفائے راشدین ہیں اور کامل طور پر ہدایت یافتہ امام ہیں۔

اور یہ کہ وہ دس حضرات جن کے نام رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائے ہیں۔ ہم ان کے جنتی ہونے کی ایسے ہی شہادت دیتے ہیں جیسے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔ اور آپ کا فرمان حق ہے۔ اور وہ حضرات یہ ہیں۔ ابوبکر، عمرؓ، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد، سعید، عبدالرحمٰن بن عوف اور ابوعبیدہ بن الجراح (اور ابوعبیدہ اس اُمت کے امین ہیں۔

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

اور جس نے اپنی زبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بارے میں آپ کی ازواج مطہرات اور اولاد کے بارے میں اچھی رکھی تو وہ یقیناً نفاق سے بری ہوگیا۔ اور علمائے سلف صالحین میں (گزرے ہوں یا ان سے پہلے) تابعین ہیں اور جو ان (دونوں

اھل الخیر والاثر اھل الفقہ والنظر لایذکرونھم الا بالجمیل ومن یذکرھم بشر فھو علی غیر سبیل۔

طبقوں) کے بعد ہوں جو اہلِ خیر اور روایات پر عمل کرتے ہوں۔ اہلِ فقہ اور اہلِ نظر ہوں۔ یہ سب کے سب صحابۂ کرام کا اچھائی سے ذکر کرتے آئے ہیں اور جوان کو بُرائی سے یاد کرے تو وہ راستہ سے ہٹا ہُوا ہے (عقیدہ طحاویہ مطبوعہ رفاہ عام اسٹیم پریس لاہور۔ (از صہ۱۴ تا صہ۴۴)

امام طحاوی حدیث، رجال، اور فقہ کے امام ہیں اور ان کی یہ کتاب مدینہ یونیورسٹی میں داخل نصاب ہے محدثین میں ایک بزرگ خطیب بغدادی ہیں۔ انہوں نے اصول حدیث نہایت شرح وبسط سے بیان فرمائے ہیں علم حدیث میں بصیرت کے علاوہ تاریخ ورجال کے بھی جلیل القدر علامۂ دوراں گذرے ہیں۔ انہوں نے اپنی مشہور تصنیف "الکفایہ" میں ایک باب رکھا ہے جس کا عنوان ہے۔

باب ماجاء فی تعدیل اللہ ورسولہ للصحابۃ وانہ لا یحتاج الی سؤال عنھم وانما یجب فیمن دونھم یعنی اس باب میں وُہ باتیں بیان ہوں گی جن میں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام کی عدالت (یعنی انتہا درجہ سچائی اور حق پسندی) بیان فرمائی ہے۔ اور یہ کہ ان کے بارے میں کسی بات کے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں، ان کے ماسوا میں تفتیش حال کی ضرورت ہے۔

اس مضمون کو نہایت عمدہ طرح زوردار اور واضح الفاظ میں بیان کرکے فرماتے ہیں۔

ھذا مذھب کافۃ العلماء ومن یعتد بقولہ من الفقہاء

یہی تمام علماء (یعنی محدثین) کا اور سب فقہاء کا مسلک ہے کہ جن کی بات قابلِ اعتبار ہوتی ہے (کفایہ صہ۴۶ وصہ۴۹)

متقدمین ہی میں ابوزرعۃ رازی جو حدیث اور اسماء الرجال کے امام ہیں آپ کے (مودودی صاحب کے) خیال کی نہایت شدت سے تردید فرماتے ہیں۔

اذا رأیت الرجل ینتقص احداً من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جب تم کسی کو دیکھو کہ وُہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے کسی کی بھی تنقیص کر رہا ہے تو یہ جان لو کہ وہ زندیق ہے

فاعلم انہ زندیق وذالك ان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم عند ناحق والقرآن حق وانما ادی الینا ھٰذا القرآن والسنن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانما یریدون ان یجرحوا شھودنا لیبطلوا الکتاب والسنۃ والجرح بھم اولی وھم زنادقۃ (کفایہ ص۴۹)

اور اس لیے کہ ہمارے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں اور قرآن حق ہے۔ اور ہم تک یہ قرآن اور حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہی نے پہنچائی ہیں اور یہ صحابہ پر اعتراض کرنے والے اور ان میں نقص ثابت کرنیوالے (در اصل) یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے گواہوں کو کسی طرح مجروح کریں تاکہ قرآن وحدیث کو باطل کر سکیں۔ لہٰذا ان ہی لوگوں پر جرح وتنقید کرنی زیادہ درست ہے۔ اور ایسے لوگ زندیق ہیں[1]

---

[1] مودودی صاحب کی تصانیف سے جو برا اثر پڑتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ ایک عالم جو ان کی جماعت کے سرگرم رکن ہیں ایک دن مجھ سے فرمانے لگے کہ صحابہ کرام کو اگر حق کا معیار قرار دیا جائے تو صحابہ کرام نے تو چوری بھی کی ہے زنا بھی کیا ہے اسے بھی صحیح کہنا پڑے گا۔ اور اس کی بھی پیروی کرنی پڑے گی۔

میں نے عرض کیا کہ صحابہ کرام میں فاطمہ بنت قیس نے چوری کی تھی۔ اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر سفارش رد کرکے سزا دی تھی۔ وہ تائب بھی ہو گئی تھیں۔ حضرت عائشہ ان کی تعریف میں فرماتی ہیں کہ وہ میرے پاس آیا کرتی تھیں اور

حسنت توبتھا — انہوں نے سچے دل سے توبہ کرلی تھی

اسی طرح حضرت ماعزؓ سے زنا سرزد ہوا۔ اور ایک جُہَینہ کی عورت سے سرزد ہوا۔ ان دونوں نے نہایت سچے دل سے توبہ کی۔ اور خود اپنے اوپر سنگساری کی سزا جاری کرائی۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ۔ آپ نے اس عورت کو سنگسار کرایا ہے اور پھر اس کی نماز جنازہ پڑھا رہے ہیں۔ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:-

لقد تابت توبۃ لو قسمت بین سبعین من اھل المدینۃ وسعتھم وھل وجدت شیئا افضل من ان جادت بنفسھا للہ۔ (ترمذی ج ۱ ص۱۷۳)

بلاشبہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر وہ ستر اہلِ مدینہ میں تقسیم کی جاتی تو انہیں کافی ہوتی۔ اور اس سے بھی افضل کوئی چیز تم نے دیکھی ہے کہ اس نے اپنی جان ہی خدا کے حکم کے لیے دے دی۔

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

کفایہ ہی میں خطیب بغدادی نے یہ روایت بھی دی ہے۔

عن انس بن مالك قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله اختارنی و اختار اصحابی فجعلهم اصهاری وجعلهم انصاری وانه سیجیئ فی اٰخر الزمان قوم ینتقصونهم الا فلا تناکحوهم الا فلا تنکحوا الیهم الا فلا تصلوا معهم الا فلا تصلوا علیهم، علیهم حلت اللعنة۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روائیت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے چنا اور میرے صحابہ کو (بھی) چنا۔ تو ان میں میرے نکاح والے رشتہ دار بنائے۔ اور انہیں میرا مددگار بنایا۔ اور آخری زمانہ میں ایسے لوگ آنے والے ہیں جو ان میں نقص ثابت کریں گے۔ دیکھو! ان سے نکاح شادی کے رشتے نہ قائم کرنا۔ دیکھو ان کے یہاں منگنی (بھی) نہ لے جانا۔ دیکھو! ان کے ساتھ نماز نہ پڑھنا (اور وہ مر جائیں تو) دیکھو! ان کی نماز جنازہ نہ پڑھنا ان پر (پھٹکار اور) لعنت برسے گی۔

بقیہ حاشیہ

تو ان حضرات کا گناہ نہیں بلکہ سچی توبہ ہر گناہگار کے لیے مشعل ہدایت اور امید کا چراغ ہے۔ اس میں ان کا سچا ہونا گناہ سے پاک ہونے کا شدید رجحان اور خواہش ظاہر ہو رہی ہے۔ جو ان کے پاکیزہ اور کامل الایمان ہونے کی دلیل ہے۔ اور حدیث شریف سکھانے والے ہیں اور دین پہنچانے والے ہیں سچائی اور گناہ سے بچنے کا رجحان ہونا اور توبہ و انابت میں مشغول رہنا یہی چیزیں شرط ہوتی ہیں۔ معصوم ہونا شرط نہیں وہ تو نبی کا خاصا ہے۔ حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ (سچی) توبہ کے بعد اللہ کا وعدہ ہے کہ گناہ بخش دیا جاتا ہے اور وہ ایسے ہو جاتا ہے جیسے اس نے گناہ ہی نہ کیا ہو۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے

والذین اذا فعلوا فاحشةً اوظلموا انفسهم ذکروا الله فاستغفروا الذنوبهم ومن یغفر الذنوب الا الله ولم یصروا علیٰ ما فعلوا وهم یعلمون اولئك جزاؤهم مغفرة من ربهم وجنات تجری من تحتها الانهٰر خالدین فیها۔ (پ ۴ رکوع ۵)

اور وہ لوگ کہ جب کوئی کھلا گناہ کر بیٹھیں یا اپنے حق میں برا کام کریں تو اللہ کو یاد کریں اور اپنے گناہوں کی بخشش چاہیں اور کون ہے گناہ بخشنے والا سوا اللہ کے اور وہ جانتے ہوئے اپنے کئے پر اڑے نہیں رہتے۔ انہیں کی جزاء ہے۔ ان کے رب کی بخشش اور وہ باغ کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ لوگ ہمیشہ ان باغات میں رہیں گے

صحابہ کرام کو کسی نے گناہ سے معصوم نہیں کہا بلکہ ان کو سچا اور پاکیزہ طبیعت جاننا سب نے واجب قرار دیا ہے۔

باقی دلیلیں اور بھی بہت ہیں لیکن ہمارے اس بیان سے خوب واضح ہوگیا ہے کہ یہ ایک عقیدہ ہے جس پر صدر اول سے اتفاق و اجماع چلا آرہا ہے۔

حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں حضرات صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمادیا:۔

ولٰکنّ اللّٰہ حبّبَ الیکم الایمان وزینہٗ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر وَالفسوق و العصیان۔ اولٰئک ھُمُ الرّاشدون۔ فضلاً من اللّٰہ ونعمۃً۔ واللّٰہ علیمٌ حکیم۔	اللہ تعالیٰ نے محبت بھر دی تمہارے اندر ایمان کی۔ اور اس کو سجادیا (آراستہ کردیا) تمہارے دلوں میں۔ اور نفرت بھر دی تمہارے اندر کفر سے فسق سے اور عصیان سے۔ یہی ہیں جو راشد ہیں۔ اللہ کے فضل سے اور احسان سے۔ اور اللہ علیم وحکیم ہے۔

(سورۂ حجرات رکوع ۱)

فرقِ مراتب یہ درست ہے کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام کے فرقِ مراتب کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ مثلاً

(ا) السابقون الاولون ۔ (یہ وہ حضرات ہیں جو غزوات بدر، اُحد اور احزاب میں شریک ہوئے)

(ب) وہ چودہ سو حضرات جنہوں نے مقام حدیبیہ پر خصوصی بیعت کی: جسکو "بیعتِ رضوان" کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کے متعلق حق جل مجدہٗ نے اعلان فرمادیا۔

(لقد رضی اللہ (سورۂ فتح) یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگیا)

(ج) جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے جہاد کیا اور فی سبیل اللہ خرچ کیا۔ ان کے بارے میں ارشاد ہوا

(اولئٰک اعظم درجۃ (سورۃ الحدید ۱) یہ درجہ میں بڑھے ہوئے ہیں)

(د) جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے۔ ان کا درجہ اگرچہ وہ نہیں ہے لیکن "الحسنٰی" کا وعدہ ان کے لیے بھی ہے۔ وکلا وعد اللّٰہ الحسنٰی (سورہ حدید) ان میں وہ بھی آگئے جنکو "طلقاء" کہا جاتا ہے۔ (باقی آئندہ)

۱؎ فضائل۔ مراتب اور خدمات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے۔ احقر کی کتاب "عہد زریں" جلد اوّل و جلد دوم

حضرت شیخ الاسلام کی ایک

رُوح پرور تقریر

یہ تقریر حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ نے مدرسہ شاہی مراد آباد کے جلسۂ دستار بندی میں ارشاد فرمائی تھی۔ جسے مولانا نسیم احمد صاحب نے قلمبند فرمائی۔ ہم اس روح پرور تقریر کو تیمناً و تبرکاً انوار مدینہ میں شائع کر رہے ہیں

میرے محترم بزرگو اور بھائیو! آپ نے اس سے پہلے مولانا محمد اسمٰعیل سنبھلی کی تقریر سنی۔ میں ایک ضعیف العمر شخص ہوں، میں نے چاہا کہ مجھے معاف کر دیا جائے، مگر افسوس معافی نہیں ملی۔ میں اس وقت آپ کے سامنے دو باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

میرے بھائیو! جو چیز (دستار بندی) آپ نے مشاہدہ کی۔ وہ کارکنان مدرسہ کی اعلیٰ درجے کی کامیابی ہے۔ زمانہ سابق سے برابر یہ چیز چلی آتی ہے کہ جب کوئی عالم یا کوئی صوفی اپنے تلامذہ میں سے کسی کو قابلِ اعتماد سمجھتا ہے تو اس کو کوئی خلعت یا علامت دیا کرتا ہے۔ عمامہ دینے سے عام لوگوں کو یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ یہ شخص اس قابل ہو گیا کہ اس کے علم، فتویٰ اور تعلیم پر اعتماد کیا جائے۔ سند بھی دی جاتی ہے۔ جس میں ظاہر کیا جاتا ہے کہ اس نے فلاں علم اور فلاں فن پڑھا ہے۔

میرے بزرگو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ فقیہٌ واحدٌ "الخ" یعنی ایک عالم شیطان پر سو عابدوں سے بھی زیادہ بھاری ہے۔

شیطان عبادت اور عبادت کرنے والوں کو بہت گراں سمجھتا ہے۔ اُس نے حلف اٹھایا ہے کہ وہ اللہ کے راستے سے روکے گا۔ اُس نے کہا ہے کہ میں انسانوں کو دائیں سے، بائیں سے، آگے سے، پیچھے سے روکوں گا۔ عبادت سے اس کو نہایت تکلیف ہوتی ہے۔ اسی سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ علم دین حاصل کرنا کتنی بڑی کامیابی ہے۔

حضورؐ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ اس کو دین میں تفقہ (سمجھ) عطا فرماتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ العلماء ورثۃ الانبیاء (علماء انبیاء کے وارث ہیں) عام طور پر وراثت مال میں، زمین میں اور دنیاوی اسباب میں جاری ہوا کرتی ہے لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنے پیچھے دنیا و درہم نہیں چھوڑتے۔ نہ مال جمع کرتے ہیں، نہ مال چھوڑ کر جاتے ہیں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لاکھوں کی مقدار میں درہم و دینار آئے۔ بحرین سے جو مال آیا تھا۔ ایک لاکھ درہم تھے۔ آقائے نامدارؐ نے اُس میں سے اپنے گھر میں ایک درہم بھی نہیں رکھا۔ مدینے میں اعلان کر دیا کہ جس کو حاجت ہو آئے اور مال لے جائے۔ آپؐ بیٹھے رہے اور جب تک مال تقسیم نہیں ہو گیا، نہیں اُٹھے۔ آپؐ کو حنین کی غنیمت میں چالیس ہزار بکریاں، چوبیس ہزار اونٹ، بارہ ہزار اوقیہ چاندی ملی۔ جعرانہ کے میدان میں آپؐ نے سب کو تقسیم فرمایا۔

ایک روز آپؐ نے عصر کی نماز پڑھی اور سلام پھیر کر دعا کیے بغیر جلدی سے حجرے میں تشریف لے گئے۔ صحابہ کرامؓ کو تعجب ہوا کہ آپؐ کی عادت اس طرح جلدی تشریف لے جانے کی نہیں ہے۔ آج کیا بات ہے؟ آپؐ حجرے میں داخل ہوئے اور وہاں سے جلد واپس تشریف لائے۔ آپؐ کے دستِ مبارک میں دو دینار تھے۔ فرمایا کہ یہ دو دینار میرے گھر میں رکھے تھے۔ ان کو تقسیم نہیں کیا تھا۔ نماز میں مجھے خیال آیا۔ اب میں ان کو لے کر آیا ہوں۔ تاکہ تقسیم کر دوں اور فرمایا کہ میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی درہم و دینار رات کو میرے گھر میں رہے۔

آقائے نامدارؐ کے پاس مختلف اوقات میں مختلف جگہوں سے بڑی مقدار سونے چاندی اور اسباب کی آتی رہی، مگر آپؐ نے اپنے لیے اپنے بچوں کے لیے اور اپنی بیویوں کے لیے کچھ نہیں رکھا۔

صاحبزادیوں میں حضرت فاطمہؓ سے آپ کو بہت محبت تھی۔ مگر جب انہوں نے پانی لانے کی وجہ سے کاندھے پر گھٹے پڑ جانے اور چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں گھٹے پڑ جانے کی شکایت اور باندی عنایت فرمانے کی درخواست کی تو فرمایا کہ میں تم کو خادمہ سے بہتر چیز تعلیم کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ جب تم سویا کرو تو سونے سے پہلے سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ ۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھ لیا کرو۔ یہ تم کو باندی سے بہتر ہے۔

آنحضرتؐ نے دعا فرمائی ہے:

اللھم احینی مسکینا و امتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین　　اے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھنا، مسکین ہی اٹھانا اور مسکینوں ہی میں میرا حشر کرنا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ماترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درھما و دینارا

سوائے آلاتِ جہاد کے کوئی چیز آپؐ نے نہیں چھوڑی۔ کچھ زمین تھی۔ جس کو آپؐ نے وقف کر دیا تھا اور فرمادیا تھا۔ ماترکناہ صدقۃ" پیغمبر میراث میں علم کو چھوڑتا ہے۔ یہ لڑکے جو آپ کے سامنے دستار بند ہوئے ہیں۔ حضورؐ کی میراث لے کر اس مدرسہ سے جا رہے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ نے مدینے کے بازار میں ایک دن چلّا کر کہا، اے اہلِ مدینہ تم بازار میں خرید و فروخت میں مشغول ہو اور حضورؐ کی میراث مسجد نبوی میں تقسیم ہو رہی ہے۔ سب دوڑ کر مسجد نبوی میں گئے۔ دیکھا کہ وہاں کچھ بھی تقسیم نہیں ہو رہا۔ البتہ علماء بیٹھے ہوئے حدیث پڑھا رہے ہیں۔ لوگوں نے ابوہریرہؓ سے کہا کہ مسجد نبوی میں تو میراث کہیں بھی تقسیم نہیں ہو رہی۔ انہوں نے فرمایا کہ تم نے وہاں جا کر دیکھا۔ لوگوں نے کہا کہ وہاں احادیث رسول اللہ اور قرآن کی آیات پڑھائی جا رہی ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث اور کیا ہے؟ حضور کی میراث تو یہی علم ہے۔

میرے بزرگو! آپ نے دیکھا کہ یہ علمِ دین کس قدر فضیلت کی چیز ہے، اہلِ مراد آباد پر اللہ کا بڑا فضل ہے کہ یہاں حضورؐ کی میراث رات دن تقسیم ہو رہی ہے۔ اس کا شکر ادا کرو، اس نعمت کی قدر کرو —— ان بچوں کو جنہوں نے قرآن حفظ کیا ہے یا قرآن تجوید سے پڑھا ہے۔ حقارت کی نظر سے نہ دیکھو۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا مرتبہ رکھتے ہیں۔ آج اسکولوں اور کالجوں میں جو پڑھتے ہیں۔ اُن کو وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، مگر آپ کو خبر ہے ان حقیروں، مسکینوں اور پھٹے پرانے کپڑے والوں کا کیا مرتبہ ہے۔ آقائے نامدارؐ ان کے درجے کو اس حدیث میں بیان فرماتے ہیں۔ رب اشعث۔ الخ

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر   تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

حدیث قدسی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں شکستہ دل لوگوں کے قریب ہوں۔ متکبّر سے اللہ تعالیٰ کو سخت نفرت ہے۔ فرماتے ہیں:

الکبریاء ردائی۔ الخ   "تکبیر میری چادر ہے۔ بڑائی سوائے میرے اور کسی کو نہیں سجتی، جو شخص غرور کرتا ہے۔ میں اس کو اوندھا کر کے دوزخ میں ڈال دوں گا۔"

غریب مسلمانوں کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھو۔ خدا جانے کون ان میں سے اللہ کے یہاں مقبول ہے۔

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ قرآن کے حافظ کو جو قرآن کی تلاوت کرتا تھا اور اس پر عمل بھی

کرتا ہے۔ جنت کی نیچی سطح پر کھڑا کر دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا :

"کہ اے میرے بندے تو جس طرح دنیا میں پڑھتا تھا، پڑھتا جا اور جنت کی سیڑھیوں پر چڑھتا چلا جا۔"
قرآن میں اکیس ہزار آیتیں ہیں۔ آپ اندازہ لگائیے۔ کس قدر بلندی اس حافظ کو اللہ تعالیٰ کے یہاں نصیب ہوگی۔

آقائے نامدارؐ فرماتے ہیں کہ جو حافظِ قرآن، قرآن پر عمل کرتا تھا۔ اُس کو اللہ تعالیٰ اختیار دے گا کہ تو اپنے رشتہ داروں میں سے دو آدمیوں کی جو دوزخ میں داخل ہو گئے ہیں۔ سفارش کر۔ ہم ان کو دوزخ میں سے نکال کر جنت میں داخل کریں گے۔

میرے بزرگو! یہ بڑی بشارت کی بات ہے۔ قرآن کا ایک ایک حرف پڑھنا دس نیکیوں کا باعث ہے۔ الٓمٓ پڑھو تو تیس نیکیاں ملتی ہیں۔

بعضے بے وقوف کہا کرتے ہیں کہ جس نے ترجمہ نہ سمجھا۔ اس نے وقت ضائع کیا۔ آقائے نامدارؐ مثال میں ایسا لفظ (الٓمٓ) ذکر فرماتے ہیں۔ جس کے معنی سمجھ میں نہیں آتے۔ الٓمٓ وغیرہ حروفِ مقطّعات ہیں۔ تفسیر کرنے والے حروف مقطّعات کے معنی بیان کرنے سے قاصر ہیں۔

اگر قرآن کی آیات کے معنی سمجھے جائیں تو نورٌ علیٰ نور ہے۔ نہ سمجھے، تب بھی ثواب ہے۔ ہزاروں نیکیاں ثواب میں ملتی ہیں۔

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے کوئی شخص جنگل میں جائے اور اس کو دو موٹی گابھن اونٹنیاں مفت میں مِل جائیں۔ بتلاؤ وہ نصیبہ ور شمار کیا جائے گا، یا نہیں؟ پھر آقائے نامدارؐ نے فرمایا کہ تم دو آیتیں قرآن کی یاد کر لو تو اس کے اندر اتنی کامیابی حاصل ہوگی۔ جتنی دو اونٹنیوں سے نہ ہوگی۔

قرآن کے معانی سمجھنے کا، احکام شرعیہ کے سمجھنے کا، احادیث کے سننے کا جس قدر ہو سکے۔ انتظام کرو، ان طالب علموں کے لیے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اِن کو استقامت بخشے۔ ان (طلباء) سے میں استدعا کرتا ہوں کہ تم دینِ محمدیؐ کو زندہ کرو۔ خود بھی اس پر عمل کرو اور دوسروں کو بھی دینداری کی طرف بلاؤ اور جس قدر ہو سکے اللہ تعالیٰ کو راضی کرو۔

اب میں ذکر کے متعلق بیان کر کے اپنی تقریر ختم کرتا ہوں۔

آقائے نامدار فرماتے ہیں کہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے عذاب سے اس قدر بچانے والی نہیں ہے۔ جتنا اللہ کا ذکر عذاب سے بچانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فاذکروا اللّٰہ قیاما وقعودا الخ یعنی کھڑے، بیٹھے، لیٹے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے رہو ــــــ تم ہاتھ سے کام کرتے رہو۔ ہل چلاتے رہو، لکڑی کا کام کرو، لوہے کا کام کرو، پیتل کا کام کرو، مگر زبان اور دل سے اللہ کا ذکر کرتے رہو۔

"تن بکار اور دِل بیار" ہونا چاہیے!

قرآن میں ہے۔ فاذکرونی اذکرکم تم مجھے یاد کرو۔ میں تم کو یاد کروں گا ــــــــ آقائے نامدار فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تک بندے کے ہونٹ میرا نام لیتے ہوئے ہلتے رہتے ہیں میں بندے کے ساتھ رہتا ہوں (دیکھو) یہ کس قدر خوش نصیبی کی بات ہے اور کس قدر آسان ہے ــــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بدوی کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ "اپنی زبان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رکھ"

ہمیں یہاں ہمیشہ رہنا نہیں ہے۔ یہاں تو امتحان کے واسطے بھیجا گیا ہے۔ یہ دنیا امتحان گاہ ہے۔ آخرت میں ہمیشہ رہنا ہے۔ خدا نے زندگی اور موت فقط تمہارے امتحان کے لیے کہ کون اچھے عمل کرتا ہے۔ پیدا کی ہیں۔ تم یہاں آکر خدا کو بھول گئے۔ اس کے ذکر کو بھول گئے۔ اُس کے راضی کرنے کو بھول گئے۔ مال و دولت کے پیچھے پڑ گئے ــــ

جو چمن سے گذرے تو اے صبا تو یہ کہنا بلبلِ زار سے　　کہ خزاں کے دن بھی ہیں سامنے نہ لگانا دل کو بہار سے

ذکر ہی کام آنے والا ہے ــــ　　جہاں اے برادر نماند بکس
دِل اندر جہاں آفرین بند و بس

ضروری نوٹ

حضرت مولانا عبد المنان صاحب دہلوی کی عربی نعت کی دوسری قسط اور آپ کے دوسرے لاجواب و بے نظیر قصائد اس بار شائع نہیں ہو سکے۔ کیونکہ عربی قصائد کی کتابت ادارہ کے خصوصی معاون و مہربان رئیس الخطاطین سید انور حسین نفیس رقم فرماتے ہیں۔ اور آپ ان دنوں ایک ماہ کے لیے رائپور (انڈیا) تشریف لے جا چکے ہیں۔ انشاء اللہ آپ کی تشریف آوری کے بعد قارئین کرام ہر شمارہ میں عربی نظم موجود پائیں گے۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی

الامیون

ایک تحقیق

قرآن مجید میں الامیون کا لفظ متعدد مقامات پر آیا ہے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو "امی" کی صفت سے موصوف کیا گیا ہے، ارشاد ہے۔

"فآمنوا باللہ ورسولہ النبی الامی الذی — تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر جو امی نبی ہیں
یومن باللہ وکلماتہ واتبعوہ لعلکم — اور جو اللہ اور اس کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں اور اس پیغمبر کی پیروی
تہتدون" (الاعراف) — کرو تاکہ تم سیدھے راستے پر چلو۔

ہمارے ہاں عام طور پر مشہور ہے کہ امی اسے کہتے ہیں جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو اور چونکہ یہ لوگ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی نوشت وخواند سے نابلد تھے اس لئے قرآن میں ان کو "امیون" کہا گیا ہے اور خود حضور بھی ایسے ہی تھے اس لئے آپ کی صفت امی بیان کی گئی ہے، مفسرین نے عام طور پر اسی معنی کو اختیار کیا ہے چنانچہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں۔

"الامیین الذین لا یکتبون ولا یقرؤن[1] — امی وہ لوگ ہیں جو نہ لکھنا جانتے ہوں اور نہ پڑھنا۔

پھر اس کی لغوی توجیہ میں فرماتے ہیں کہ لکھنے کا فن مردوں میں پایا جاتا ہے، عورتوں میں نہیں اس بنا پر جو لوگ لکھنا نہیں جانتے تھے ان کو ماں کی طرف منسوب کر کے امی کہا گیا ہے[2]۔ طبری نے امیین کی یہ تشریح سورۃ البقرۃ کی حسب ذیل آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں کی ہے۔

---

[1] تفسیر ابن جریر طبری ج ۲ ص ۲۵۰ [2] تفسیر ابن جریر جری ج ۲ ص ۲۵۹

ومنهم اميون لايعلمون الكتٰب الاامانى وان هم الا يظنون (آیت ۷۸) — اور ان میں کچھ امی ہیں جو کتاب کو نہیں جانتے سوائے من مانی باتوں کے، اور یہ صرف ظن اور تخمین سے کام لیتے ہیں۔

مگر سورۂ آل عمران میں بھی ایک آیت ہے جس میں یہ لفظ آیا ہے اور وہ یہ ہے۔

وقل للذين اوتوا الكتٰب والاميين ءاسلمتم ط فان اسلموا فقد اهتدوا وان تولوا فانما عليك البلاغ ط والله بصيرٌ بالعباد " (آیت ۲۰) — اور وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی ہے اور جو امی ہیں، اے محمدؐ آپ ان سے کہہ دیجئے۔ کہ کیا تم اسلام لے آئے ہو؟ پس اگر وہ اسلام لے آئے ہیں تو وہ ہدایت یافتہ ہو گئے اور اگر انہوں نے سرتابی کی تو بس آپ پر تو پہنچانا ہے اور اللہ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے۔

طبری نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے

"الاميين الذين لاكتاب لهم من مشركى العرب[1] " — امیین سے مراد مشرکین عرب ہیں جن کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی۔

یہی لفظ سورۃ الجمعۃ کی ایک آیت میں بھی آیا ہے۔

"هوالذى بعث فى الاميين رسولا منهم يتلوا عليهم آيٰته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة وان كانوا من قبل لفى ضلٰلٍ مبين " (آیت ۲) — وہ خدا وہ ہے جس نے امیین میں انہیں میں سے ایک رسول کو ظاہر کیا جو ان پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ یہ لوگ پہلے سے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

اس آیت کی تفسیر میں تقریباً سب مفسرین لکھتے ہیں کہ اس میں امیین سے مراد عرب ہیں چنانچہ عہد حاضر کے مقبول مفسرین، سید رشید رضا صاحبِ "تفسیر المنار" اور شیخ محمد جمال الدین القاسمی صاحبِ "تفسیر القاسمی" نے یہی لکھا ہے۔

اب مذکورہ بالا تینوں آیات جن میں امیون کا لفظ آیا ہے ان کو بیک وقت سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے مفسرین نے امیون کے کوئی ایک معین معنی مراد نہیں لئے ہیں بلکہ یہ لفظ تین جگہ آیا ہے تو ہر جگہ معنی بھی ایک دوسرے سے مختلف مراد ہیں اور اس بنا پر حسب ذیل تنقیحات پیدا ہوتی ہیں۔

---

[1] تفسیر ابن جریر طبری ج ۶ ص ۲۸۱

(۱) اگر امیون سے مراد وہ لوگ ہیں جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے تو یہ لفظ مشرکین اور اہل عرب کے ناخواندہ لوگوں پر بھی صادق آسکتا ہے، پھر سورۂ آل عمران کی آیت کی تفسیر میں امیین سے فقط مشرکین کو مراد لینا کیونکر صحیح ہوگا؟

(۲) اگر اس سے مراد مشرکین ہیں تو اب اس پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں، ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی امی کہا گیا ہے، پھر اس کے معنی کیا ہوں گے اور دوسرا اعتراض یہ ہے کہ سورۃ البقرہ کی آیت میں اہل کتاب میں سے بھی بعض لوگوں کو امیون فرمایا گیا ہے۔ اس کی توجیہ کیا ہوگی؟

(۳) سورۂ الجمعۃ کی آیت کی تفسیر میں اگر امیونؔ سے مراد عرب ہیں تو پھر سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران کی آیتوں میں علی الترتیب امیون سے ناخواندہ اور مشرک مراد لینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے، کیونکہ یہ لوگ جس طرح عرب میں پائے جاتے ہیں غیر عرب میں بھی پائے جاتے ہیں۔

ان سب سوالات کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ مکّہ کے لوگوں کی صفتِ غالبہ نوشت وخواند سے عاری ہونا تھی اس لئے اس لفظ کا اطلاق ان دونوں پر بھی مجازاً ہونے لگا ہے، اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ کیا نوشت وخواند سے عاری ہونا واقعی وادیٔ قری کے اصحاب کی ایسی خصوصیت تھی جس میں وہ دوسرے لوگوں سے اس درجہ ممتاز تھے کہ وہ ان کی صفت غالبہ بن سکتی تھی؟ تاریخ اس کا جواب نفی میں دیتی ہے سیر وتاریخ کی کتابوں میں ایسے حضرات کے نام جا بجا ملتے ہیں جو عہد جاہلیت میں نوشت وخواند سے اچھی طرح آشنا تھے۔ سہیلی نے ایسے صحابہ کے ناموں کی فہرست دی ہے جو بارگاہ نبوی میں تحریر وکتابت کی خدمت انجام دیتے تھے[۱] ان میں بعض حضرات جو اس فن میں خاص درک وکمال رکھتے تھے "الکاتب" ان کے نام کا جزء ہی ہوگیا تھا، حضرت حنظلۃ بن الربیع کا شمار ان ہی لوگوں میں تھا، چنانچہ جب ان کا انتقال ہوا تو ایک شاعرہ نے مرثیہ میں کہا۔

ان سواد العین اودی بہ   حزن علی حنظلۃ الکاتب

دربار نبوی میں جو صحابہ تحریر وانشاء کی خدمت انجام دیتے تھے ان کی تعداد کتنی تھی؟ اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ عمر بن شیبہ نے خاص اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی تھی[۲] ابوعبداللہ محمد بن عبدوس الجہشیاری (م ۳۳۱ھ) نے بھی ان صحابہ کے نام لکھے ہیں اور اس پر اتنا اضافہ کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[۱] الروض الانف ج ۲ ص ۲۳۰ [۲] کتاب التنبیہ والاشراف مسعودی ص ۲۸۳

مختلف شعبے قائم کر رکھے تھے اور ہر شعبہ کا تحریری کام خاص خاص صحابہ کے سپرد تھا۔ ان شعبوں کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) کتابت وحی: اس پر حضرت علی اور حضرت عثمان مقرر تھے، ان کی غیر حاضری میں ابی بن کعب اور زید بن ثابت یہ کام کرتے تھے۔

(۲) پیشکاری:۔ خالد بن سعید اور معاویہ بن ابی سفیان۔

(۳) معاملات عامہ: مغیرہ بن شعبہ اور حسن بن نمر۔

(۴) عبداللہ بن ارقم اور علاء بن عقبہ اس پر مامور تھے کہ قبائل اور انصار کے جو اندرونی معاملات تھے ان کے متعلق تحریری کام کرتے تھے۔

(۵) زید بن ثابت: کتابت وحی کے ساتھ بادشاہوں سے خط و کتابت کی خدمت بھی انجام دیتے تھے

(۶) دفتر مغانم: معیقیب بن ابی فاطمہ۔

(۷) حنظلہ بن الربیع کے لئے کوئی شعبہ مخصوص نہیں تھا۔ بلکہ جب کسی شعبہ کا کوئی کاتب غیر حاضر ہوتا تھا تو وہ اس کی قائم مقامی کرتے تھے اور حضور کی مہر بھی انہیں کے پاس رہتی تھی[۱]

ان شعبوں کا ذکر مسعودی نے بھی کیا ہے اور ان پر حسب ذیل شعبوں کا اضافہ کیا ہے

(۱) اموال صدقات: زبیر بن عوام اور جہیم بن الصلت۔

(۲) نخلستان کا حساب و کتاب: حذیفہ بن الیمان۔

مسعودی دربار نبوی کے کاتبین کا شعبہ وار تذکرہ کرنے کے بعد لکھتا ہے۔

ہم نے یہاں صرف ان حضرات کا تذکرہ کیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مستقلاً ایک مدت تک کتابت کی خدمت انجام دیتے رہے تھے اور اس بات کا قطعی ثبوت بھی موجود ہے، ان کے علاوہ جن لوگوں نے عارضی طور پر یہ کام کیا تھا ہم نے ان کا تذکرہ نہیں کیا ہے[۲]

پھر ان حضرات میں ایسے بھی لوگ تھے جو عربی زبان کے علاوہ فارسی، رومی قبطی اور حبشی زبانوں میں بھی کتابت کر سکتے تھے۔ زید بن ثابت نے یہ سب زبانیں مدینہ میں خود اہل زبان سے سیکھی تھیں اور بارگاہ نبوی میں ترجمان کی حیثیت سے بھی کام کرتے تھے[۳] حضرت عمرو بن العاص بھی عبرانی اور سریانی زبانوں میں

---

[۱] کتاب الوزراء والکتاب ص ۹ [۲] کتاب التنبیہ والاشراف ص ۲۸۴ [۳] مسعودی ص ۲۸۳ جلد ۴ ص ۲

کتابت کرتے تھے[1] عورتیں تک اس فن سے واقف تھیں، اس سلسلہ میں شفا بنت عبداللہ مشہور تھی[2] ان سب سے قطع نظر خود قرآن مجید سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے کہ بعثت نبوی کے وقت عرب میں کتابت مروج تھی۔ ارشاد ہے۔

"یاایھا الذین آمنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ" (البقرۃ) — اے ایمان والو! جب تم آپس میں کسی مقررہ مدت کے لئے قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لو۔

ایک اور آیت ہے۔

"فویل للذین یکتبون الکتٰب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ (البقرۃ) — پس ان لوگوں کے لئے ہلاکت ہے جو کتاب اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں:- یہ اللہ کی طرف سے ہے۔"

قرآن میں کتاب کا لفظ مفرد اور جمع دو سو اکسٹھ مرتبہ آیا ہے[3] اور کتابت سے متعلق جو چیزیں ہیں مثلاً کاغذ، روشنائی، قلم، دوات، پھر خود کتاب کے لئے عربی زبان میں جو مختلف الفاظ ہیں مثلاً صحیفہ، زبور وغیرہ ان کا قرآن میں جا بجا تذکرہ ہے، یہ بجائے خود اس بات کا ثبوت ہے کہ عرب فن کتابت سے ناآشنا نہیں تھے بقول ابن فارس کے جہاں تک نوشت وخواند کے جاننے کا تعلق ہے عرب اسلام سے پہلے ایسے ہی تھے جیسے آج کل ہیں۔ یعنی پہلے بھی ہر شخص اس سے واقف نہیں تھا اور آج بھی ہر ایک اس سے آشنا نہیں ہے[4]

ہمارے زمانہ کے نامور محقق ڈاکٹر جواد علی لکھتے ہیں۔

"ہم اس بات کا خیال بھی نہیں کر سکتے کہ اہل جاہلیت کے سب لوگ امی تھے اور ان میں کوئی قاری اور کاتب نہیں تھا ہمیں معلوم ہے اکثر لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے کیونکہ ان کے نوشتہ آثار جو دستیاب ہوئے ہیں اس کا بین ثبوت ہیں علاوہ بریں مورخین عام طور پر کہتے ہیں کہ قریش میں ارباب نوشت وخواند کا قحط نہیں تھا[5]"

حال میں مصر کے ایک فاضل ڈاکٹر ناصر الدین الاسد نے "مصادر الشعر الجاہلی" کے نام سے ایک بلند پایہ محققانہ کتاب لکھی ہے جس میں (از ص ۴۷ تا ۱۰۳)، بڑی تفصیل سے اس پر بحث کی ہے کہ عرب قبل الاسلام

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲ [2] الروض الانف ج ۲ ص ۲۳۰

[3] المعجم المفہرس الالفاظ القرآن از ص ۵۹۲ تا ص ۵۹۵ [4] الصاحبی ص ۹ [5] تاریخ العرب قبل الاسلام ج ۶ ص ۹۹

میں قرارت وکتابت کا فن کس قدر مروج تھا ؟ یہ کن کن زبانوں کی کتابت جانتے تھے ؟ ان کی کتابت کا ساز وسامان کیا تھا ؟ اس فن میں نامور اور مشہور کون کون لوگ تھے ؟ اور کتابت کی تعلیم کے مدرسے کہاں کہاں قائم تھے ؟

موصوف نے جو کچھ لکھا ہے مدلل اور مفصل لکھا ہے اور اس کے مطالعہ کے بعد اس میں کوئی شک باقی نہیں رہتا کہ عرب قبل الاسلام کو من حیث المجموع یا خاص مکہ اور اس کے اطراف وجوانب کے عربوں کو "امیون" کا لقب ہرگز اس معنی میں نہیں دیا گیا کہ انہیں لکھنا پڑھنا نہیں آتا تھا [1]

یہ گفتگو تو عام عربوں سے متعلق تھی۔ اب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے تو اگرچہ مشہور یہی ہے کہ آپ نوشت وخواند سے ناآشنا تھے لیکن علماء کا ایک طبقہ اس خیال سے متفق نہیں ہے، چنانچہ عہد حاضر کے نامور عالم اور محقق شیخ محمود محمد شاکر لکھتے ہیں :

"وقد یما قام بعض اساتذ تنا ید عی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یعرف الکتابۃ ولکنہ لا یحسنھا" [2]

اور پہلے سے ہمارے بعض اساتذہ نے یہ دعوی کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا جانتے تھے۔ اگرچہ اچھی طرح نہیں جانتے تھے۔

حافظ ابن حجر نے بھی اس رائے کو متعدد علماء مثلاً ابوالولید الباجی، ابوذر الہروی اور ابوالفتح النیسابوری کی طرف منسوب کر کے لکھا ہے کہ افریقیہ کے کچھ اور علماء کا بھی خیال یہی تھا [3] اس کے علاوہ سہیلی نے بھی ایسے حضرات کی نشاندہی کی ہے [4] ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ حدیبیہ کے واقعہ سے متعلق صحیح بخاری میں جو روایت ہے اس میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت علیؓ صلح نامہ لکھ رہے تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے جب لکھا "ہذا قاضی علیہ محمد رسول اللہ" تو اس پر قریش کے نمائندوں نے اعتراض کیا

---

[1] دراصل اس معاملہ میں غلط فہمی کی بنیاد یہ ہے کہ زمانۂ قبل الاسلام کو جو عہد جاہلیت کہا جاتا ہے تو لوگ عام طور پر سمجھتے ہیں کہ یہ جہل علم کی ضد ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ جہل علم کی نہیں بلکہ حلم کی ضد ہے جس کے معنی بردباری، سمجھ بوجھ اور متانت وسنجیدگی ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

الا لا یجھلن احد علینا ۔ فنجھل فوق جھل الجاھلینا

(ترجمہ: خبردار ! ہم سے کوئی اجڈ پن کی باتیں نہ کرے ورنہ پھر ہم اجڈ لوگوں سے بڑھ کر اجڈ ہوں گے)

[2] تفسیر ابن جریر طبری (حاشیہ) ج ۲ ص ۵ [3] فتح الباری ج ۷ ص ۵۰۴ [4] الروض الانف ج ۲ ص ۲۳۰

اور کہا اگر ہم آپ کو رسول مانتے ہی ہوتے تو آپ کو روکتے کیوں ؟ حضور نے فرمایا " میں تو خیر رسول اللہ ہوں ہی " اور حضرت علی کو حکم دیا کہ " رسول اللہ " کے الفاظ مٹا دیں۔ حضرت علی نے جب اس حکم کی تعمیل سے معذرت خواہی کی، تو اب وہ نوشتہ حضور نے خود لے لیا اور اس پر تحریر فرمایا " ھذا ما قاضی محمد بن عبداللہ الی اخرہ " اصل الفاظ جو اس موقع پر ہیں وہ یہ ہیں۔

فاخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الکتٰب فکتب۔" — اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ نوشتہ خود لے لیا اور تحریر فرمایا۔

بخاری میں یہ روایت ایک ہی اسناد سے دو جگہ مذکور ہے۔ اولاً کتاب الصلح میں اور ثانیاً کتاب المغازی کے ماتحت باب عمرۃ القضا میں دونوں جگہ الفاظ ایک ہی ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ ثانی الذکر روایت میں " فکتب " کے بعد یہ الفاظ بھی ہیں " ولیس یحسن الکتاب "۔

ابن سعد نے بھی واقعہ حدیبیہ کے ذکر کے سلسلہ میں اس موقع پر جو الفاظ لکھے ہیں وہ یہ ہیں۔

" لما کتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الکتاب الذی بینہ و بین اھل مکۃ "

اس کے بعد عہد نامہ لکھا گیا تو۔

" کتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اسفل الکتاب ولنا علیکم مثل الذی لکم علینا[1] " — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تحریر کے نیچے لکھا اور تم پر ہمارے حقوق وہی ہوں گے جو ہم پر تمہارے ہیں۔

اس کے علاوہ طبری نے جب یہ واقعہ نقل کیا ہے تو اس میں بھی فعل " کتب " کی اسناد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی ہے[2] غرض کہ ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور کتابت جانتے تھے۔ مگر جو حضرات اس کے قائل نہیں ہیں وہ اس میں عجیب طرح کی تاویلات کرتے ہیں، اور وہ یہ ہیں۔

(۱) روایت میں فعل " کتب " کے معنی ہیں، امر، اور مطلب یہ ہے کہ حضور نے لکھنے کا حکم دیا کیونکہ کاتب تو حضرت علی ہی تھے۔

(۲) " ولیس یحسن یکتب " کے معنی یہ نہیں کہ آپ کتابت اچھی طرح نہیں جانتے تھے جس سے حضور کے لئے نفس کتابت ثابت ہو۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ کتابت بالکل جانتے ہی نہیں تھے اور " ولیس یحسن " کے

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۰۱ [2] تاریخ طبری ج ۳ ص ۸۰

الفاظ محض بربنائے ادب کیے گئے ہیں۔

یہ دونوں تاویلیں شیخ محمود محمد شاکرنے پوری قوت سے بیان کی ہیں[1] لیکن ایک سرسری نظر سے جائزہ لیا جائے تو ان کی بے حقیقتی ظاہر ہو جاتی ہے، چنانچہ ان کے جوابات علی الترتیب یہ ہیں۔

(۱) صحیح بخاری کی روایت میں یہ الفاظ صاف طور پر موجود ہیں کہ جب حضرت علیؓ نے رسول اللہ کے الفاظ محو کرنے سے معذرت کی تو اخذ رسول الله الکتاب فکتب" تو ظاہر ہے کہ یہاں کتب کی اسناد حضور کی طرف اسناد حقیقی ہی ہوگی نہ کہ مجازی کیونکہ کتب اور اخذ' دونوں کا فاعل حضور ہیں اور جب اخذ کی اسناد حقیقی ہے تو کتب، کی اسناد بھی ایسی ہوگی، ورنہ حضرت علی کی معذرت خواہی پر اخذ کے کیا معنی ہیں؟

(۲) ولیس یحسن یکتب" کے اگر معنی یہ ہیں کہ ولیس یکتب" آپ لکھ ہی نہیں سکتے تھے تو اس سے لازم آتا ہے راوی کا حضور کی طرف بیک وقت دو نقیضوں یعنی کتابت و عدم کتابت کا منسوب کرنا اور ظاہر ہے اس سے کلام مہمل ہو جاتا ہے، پھر یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ یہی روایت بخاری میں کتاب الصلح کے ماتحت ہے اور اس کے علاوہ طبری اور ابن سعد وغیرہ کے ہاں ہے تو اس میں صرف "کتب" کا لفظ ہے اور" ولیس یحسن یکتب" سرے سے ہے ہی نہیں۔

شیخ محمود محمد شاکر یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس موقع پر کاتب تو حضرت علی تھے۔ پھر حضور کتابت کیوں کرتے؟ جواب یہ ہے کہ جی ہاں! کاتب حضرت علی ہی تھے مگر درمیان میں یہ واقعہ پیش آیا تو حضور نے خود قلم لے لیا اور پہلے "رسول اللہ" کے الفاظ تحریر سے محو کئے اور پھر آگے کی عبارت تحریر فرمائی، چنانچہ ابن سعد اور طبری کے ہاں حضرت علی کا نام اس موقع پر بحیثیت کاتب سرے سے مذکور ہی نہیں ہے۔

یہ واضح رہنا چاہیئے کہ شیخ نے جو کچھ لکھا ہے وہ دراصل وہی ہے جسے حافظ ابن حجر اس مسئلہ میں مختلف مکاتب فکر کا تذکرہ کرنے کے بعد مسلک جمہور کی تائید میں لکھ چکے ہیں[2]۔

اصل بات یہ ہے کہ جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے وہ اپنے منطوق اور مفہوم کے اعتبار سے بالکل صاف اور واضح ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان توجیہات و تاویلات کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ قرآن مجید کی

---

[1] حاشیہ تفسیر ابن جریر طبری ج ۲ ص ۴۵۸ [2] فتح الباری ج ۷، ص ۴۰۶

سورۃ الاعراف کی دو آیتوں (۷: ۱۵۷-۱۵۸) میں مسلسل حضور کی صفت امی بیان کی گئی ہے اور امی کے معنی عام طور پر مفسرین، محدثین اور علماء کے ہاں یہ ہیں کہ لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو۔ اور اس چیز کو چونکہ آپ کے لئے بطور ایک معجزہ کے پیش کیا جاتا ہے، چنانچہ شیخ سعدی کا نعت میں شعر مشہور ہی ہے۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست — کتب خانۂ چند ملت بشست

اس بنا پر اس سے جو روایت ٹکرائے گی اگر ممکن ہے تو اس کو صحیح تسلیم کرنے سے انکار ہی کر دیا جائے گا۔ اور اگر یہ ممکن نہ ہوگا تو اس میں توجیہات و تاویلات کی جائے گی۔ خواہ وہ کیسی ہی کمزور اور دور از کار کیوں نہ ہوں۔

بعض علما جو نہ بخاری کی مذکورۃ بالا روایت کی صحت سے انکار کر سکتے تھے اور نہ اس میں کسی دور از کار تاویل کے روادار ہو سکتے تھے انہوں نے یہ کہا کہ حضور قرآن کی تصریح کے مطابق شروع شروع میں تو بیشک امی تھے اور لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ لیکن بعد میں آپ ان دونوں سے آشنا ہو گئے تھے، ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ قرآن کی ایک اور آیت جس میں حضور کی امیت کا ذکر ہے اس میں "من قبلہ" کی تصریح ہے[1]، اس سے معلوم ہوا کہ حضور نزول قرآن کے آغاز میں امی تھے یعنی نوشت و خواند نہیں کر سکتے تھے اور بس[2]! اس سلسلے میں ابن ابی شیبۃ وغیرہ کی روایت تو یہاں تک ہے کہ

" ماما مات رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم حتیٰ کتب وقرأ "[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات، اس وقت تک نہیں ہوئی جب تک کہ آپ لکھ پڑھ نہیں لئے تھے۔

مجالد نے حضرت شعبی سے اس روایت کا تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا کہ اس روایت میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو آیت کے منافی ہو۔ ابوالولید الباجی کو اس رائے پر اس درجہ اصرار تھا کہ انہوں نے اس پر ایک مستقل رسالہ بھی لکھا تھا[4] اور جب علمائے اندلس نے ان کے اس خیال کی وجہ سے ان پر زندقہ کا الزام لگایا اور ایک شخص نے یہاں تک کہہ دیا۔

برئیت ممن شری دنیا باٰخرۃ وقال ان رسول اللّٰہ قد کتبا

(میں اس شخص سے بری ہوں جو آخرت کے بدلے میں دنیا کو خریدتا ہے اور کہتا ہے کہ بیشک رسول اللہ

---

[1] آیت یہ ہے " وماکنت تتلوا من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینک " (العنکبوت ۴۸)

[2] فتح الباری ج ۷ ص ۵۰۴ [3] ایضاً [4] تاج العروس ج ۸ ص ۱۹۱

نے کتابت کی تھی، تو انہوں نے حاکم شہر کی موجودگی میں علماء سے مناظرہ کیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن وحیہ کے بقول علماء کا ایک طبقہ ان کا ہم خیال بن گیا[۱]

لیکن یہ واقعہ ہے کہ ابوالولید الباجی اور ان کے ہم خیال علماء پر بھی اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو صفات و اوصاف بیان کئے گئے ہیں وہ صفات لازمہ ہیں جن کا کسی حال میں آپ کی ذات سے انفکاک نہیں ہوتا، اس بنا پر امی کو بھی آپ کے لئے صفت لازمہ ہونا چاہیئے اور اب اگر واقعی امی کے معنی لکھنا پڑھنا نہ جاننا ہیں تو عمر کی کسی منزل میں بھی آپ سے یہ صفت جدا نہیں ہو سکتی۔ علی الخصوص اس صورت میں جب کہ عام خیال کے مطابق آپ کی یہ صفت قرآن میں آپ کے لئے بطور معجزہ و دلیل نبوت بیان کی گئی ہو۔

بعض حضرات نے اس سلسلہ میں ایک قدم اور آگے بڑھایا اور کہا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر سچ مچ حضور نے اپنے ہاتھ سے کتابت کی تھی مگر اس بنا پر نہیں کہ آپ کتابت کر سکتے تھے، بلکہ صرف اس لئے کہ خدا کو یہ بھی آپ کے ہاتھوں معجزہ دکھانا تھا کہ جو بالکل امی اور کتابت سے ناآشنا تھا وہ اچانک لکھنے لگا[۲] لیکن ظاہر ہے یہ قول بالکل لغو اور ناقابل اعتناء ہے، کیوں کہ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ ایک معجزہ دوسرے معجزہ کی نفی اور تردید بھی کر سکتا ہے اس صورت میں نفس معجزہ کی کیا اہمیت باقی رہ جاتی ہے۔

سطور بالا میں امیت کے اس معنی و مفہوم سے بحث تھی جو مسلمان خواص اور عوام دونوں میں عام طور پر مشہور و متداول ہیں۔ اس کے علاوہ اس لفظ کی بعض حضرات نے کچھ اور بھی تشریحات و توجیہات کی ہیں۔ قبل اس کے کہ ہم بتائیں کہ امیون اور امی کا اصل مفہوم کیا ہے اور قرآن و حدیث میں جہاں کہیں یہ لفظ آیا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ ان چند توجیہات کو بھی معلوم کر لینا چاہیئے۔ یہ توجیہات حسب ذیل ہیں۔

(۱) امی ام القری یعنی مکہ کی طرف منسوب ہے اور اس بنا پر حدیث میں[۳] جو "انا امۃ امیۃ" ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم امۃ مکیہ ہیں[۴]

(۲) امی امت عرب کی طرف منسوب ہے اور اس بنا پر مراد یہ ہے کہ ہم عرب ہیں[۵]

---

[۱] فتح الباری ج، ص ۵۰۴ [۲] الروض الانف ج ۲ ص ۲۳۰ [۳] اس حدیث وغیرہ پر مفصل کلام آگے آرہا ہے۔

[۴] حاشیہ صحیح مسلم مطبوعہ مکتبہ، و مطبعہ محمد علی مصر ج ۳ ص ۱۲۴۔

[۵] حاشیہ صحیح مسلم مطبوعہ مکتبہ و مطبعہ محمد علی مصر ج ۳ ص ۱۲۴۔

(۳) بعض حضرات کے نزدیک امی اُم سے مشتق ہے اور اس بنا پر امی اس شخص کو کہتے ہیں جو دنیوی امور و معاملات سے ایسا بے تعلق اور بے خبر ہو کہ گویا وہ آج ہی پیدا ہوا ہے "کیوم ولدتہ امہ"۔

اب ان تینوں معنی پر غور کیجئے تو ان کی بے حقیقتی بھی صاف ظاہر ہو جاتی ہے۔ پہلی اور دوسری توجیہہ خاص حدیث مذکور میں چل جائے تو چل جائے قرآن میں جہاں جہاں امیون کا لفظ آیا ہے وہاں نہیں چل سکتی رہی تیسری توجیہ تو ظاہر ہے اس معنی کے اعتبار سے صحابہ کرام کو امیون کہنا کیوں کر درست ہو سکتا ہے۔ جب کہ ہم جانتے ہیں وہ دنیوی معاملات میں بھی بڑے عقل مند، معاملہ فہم اور زیرک و تجربہ کار تھے کسی گروہ میں اگر تین چار آدمی بھولے بھالے اور سیدھے سادے ہوں تو ان کی وجہ سے پورا گروہ اس صفت سے موصوف نہیں ہو جاتا۔

اب تک جو کچھ عرض کیا گیا اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ ہمارے مفسرین اور علماء نے امی اور امیون کے جو معنی بیان کئے ہیں، ان میں کوئی معنی اور کوئی مفہوم بھی ایسا نہیں ہے جو ہر جگہ مراد لے لیا جائے اور جس پر کوئی اعتراض، کوئی ایراد اور کوئی شبہ وارد نہ ہوتا ہو۔ اب آیئے خود قرآن و حدیث کی روشنی میں غور کریں کہ درحقیقت ان الفاظ سے مراد کیا ہے؟

اصل یہ ہے کہ مذہبی اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب کے لوگ دو طبقوں میں منقسم تھے ایک طبقہ ان لوگوں کا تھا جو اہل کتاب کہلاتے تھے۔ یہ کسی نہ کسی پیغمبر کو بھی مانتے تھے یہ طبقہ یہود و نصاریٰ و مجوس پر مشتمل تھا۔ اس کے بالمقابل دوسرا تھا جو نہ پیغمبر سے باخبر تھا اور نہ کسی کتاب سماوی سے اس بنا پر یہ طبقہ پہلے طبقہ کی نسبت زیادہ شدید گمراہی میں مبتلا تھا۔ بت پرستی کرتا تھا، شرک میں مبتلا اور رذائل اخلاق کا خوگر تھا یہی وہ طبقہ ہے جسے قرآن امیون کہتا ہے اس بنا پر امیون کے معنی ہیں وہ لوگ جو پہلے سے کسی کتاب الٰہی اور پیغمبر سے آشنا نہ ہوں۔ اس بنا پر ظاہر ہے جو شخص اس طبقہ سے تعلق رکھے گا۔ ان میں پیدا ہوگا اور ان میں رہ کر نشو و نما پائے گا وہ امی کہلائے گا۔ اس لفظ کا تعلق نوشت و خواند سے ہرگز نہیں ہے۔

یہ واضح رہنا چاہیئے کہ یہ صرف ہمارا قیاس و تخمین نہیں ہے۔ بلکہ ترجمان قرآن حضرت عبداللہ بن عباس نے امیون کی یہی تشریح کی ہے۔ چنانچہ ابن جریر طبری کا بیان ہے۔

"عن ابن عباس" ومنھم امیون"	قرآن میں جو "منھم امیون" ہے اس کے متعلق ابن عباس سے مروی ہے
قال: الامیون قوم لم یصدقوا رسولاً	کہ انہوں نے فرمایا: امیون وہ لوگ ہیں جنہوں نے کبھی نہ کسی رسول کی

اوسلہ اللہ ولا کتاباً انزلہ اللہ۔ تصدیق کی جسے اللہ نے بھیجا ہو اور نہ کبھی ایسی کتاب پر ایمان لائے جسے اللہ نے اتارا ہو۔

لیکن چونکہ حضرت ابن عباس کی یہ تفسیر مفسرین کے مذاقِ عام کے خلاف تھی اس لئے طبری نے اس کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

"وھذا التاویل تاویلٌ علی خلاف ما یعرف من کلام العرب المستفیض بینھم وذالک ان الامی عند العرب ھو الذی لایکتب" اور ابن عباس کی یہ تاویل اس کے خلاف ہے جو کلام عرب میں مشہور ہے اور وہ یہ کہ امی عرب اس کو کہتے ہیں جو لکھنا نہ جانتا ہو۔

لیکن موصوف نے یہ نہیں بتایا کہ اس کی سند اور دلیل کیا ہے کہ عرب امی اسی شخص کو کہتے ہیں جو لکھنا نہ جانتا ہو۔ اور اس کے برخلاف یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس کلام عرب کے اتنے بڑے رمز شناس و نکتہ داں تھے کہ صحابہ میں ان جیسے کم ہی ہوں گے حضرت عمر خود اس فن کے ماہر تھے لیکن آپ کو بھی جب ضرورت پیش آتی تھی تو حضرت ابن عباس سے ہی رجوع کرتے تھے پھر یہ بھی دیکھنا چاہئیے کہ خود قرآن سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ سورۂ آل عمران میں ایک آیت ہے جس میں اہل کتاب اور امیون دونوں کو عطف کے ذریعہ ایک ساتھ دو متقابل گروہ کی حیثیت سے ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

"وقل للذین اوتوا الکتاب والامیین أأسلمتم فان اسلموا فقد اھتدوا۔ وان تولوا فانما علیک البلاغ واللہ بصیر بالعباد" (آیت نمبر ۲۰) جن لوگوں کو دی گئی ہے کتاب اور جو امی ہیں آپ ان دونوں سے کہدیجئے کہ کیا تم اسلام لے آئے ہو؟ اگر وہ اسلام لے آئے ہیں تو انہوں نے ہدایت پالی اور اگر انہوں نے روگردانی کی تو بس آپ پر صرف پیغام پہنچا دینا ہے اور اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔

غور کیجئے اس آیت سے کس قدر واضح طریقہ پر معلوم ہوتا ہے کہ امیون اہل کتاب کے بالمقابل ایک خاص طبقہ اور گروہ کا نام ہے اور چونکہ اہل کتاب وہ لوگ ہیں جو کتاب الٰہی کی تلاوت کرتے (وھم یتلون الکتب) اس پر اور پیغمبر پر ایمان رکھتے ہیں اس لئے امیون وہ لوگ کہلائیں گے جو ایسے نہیں ہوں گے یہ اس قدر واضح اور صاف بات ہے کہ جو حضرات امیت کے معنی نوشت و خواند سے عاری ہونا قرار دیتے ہیں انہوں نے بھی اس جگہ امیون سے مراد مشرکین ہی لئے ہیں[2] دو چار پڑھے لکھے آدمی ہر گھر اور ہر خاندان میں ہوتے ہیں، اس لئے ان سے

---

[1] تفسیر ابن جریر طبری ج ۲ ص ۲۵۰ [2] دیکھئے اس آیت کے تحت تفسیر ابن جریر، ابن کثیر، روح المعانی، المنار، القاسمی وغیرہ۔

کوئی ایک خاص طبقہ الگ نہیں بنتا اور اگر بنتا بھی ہوتا تو دینی و مذہبی سماج کی دنیا میں ہرگز اس کی اتنی اہمیت نہیں ہوسکتی تھی کہ قرآن میں اس کو اہل کتاب کے متقابل و متوازی کی حیثیت سے ذکر کیا جاتا۔

اب سورۂ البقرۃ کی آیت۔

ومنھم امیون لا یعلمون الکتٰب الا امانی وان ھم الا یظنون ہ فویل للذین یکتبون الکتٰب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ لیشتروا بہ ثمناً قلیلا ط فویلٌ لھم مما کتبت ایدیھم وویلٌ لھم مما یکسبون ہ (بقرہ ۷۸-۷۹)	اور ان (یہود) میں بعض لوگ ہیں جو امی ہیں یہ سوائے من مانی باتوں کے کتاب کو نہیں جانتے اور گمان سے کام سے لیتے ہیں، پس ہلاکت ہے، ان لوگوں کے لئے جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے، ان کا مقصد یہ ہے کہ اس ذریعہ سے وہ کچھ پیسے کمالیں۔ پس جو کچھ ان کے ہاتھوں نے لکھا ہے اس کی وجہ سے ان کے لئے ہلاکت ہے اور جو کچھ انہوں نے کمایا ہے اس کی وجہ سے ان کے لئے بربادی ہے۔

ملاحظہ فرمایئے تو اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ ان آیات میں ان یہود کا ذکر کیا گیا ہے جو دعویٰ تو یہ کرتے تھے کہ ہم اہل کتاب ہیں، مگر حالت یہ تھی کہ اصل کتاب الٰہی کا جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی تھی ان کو خاک علم نہیں تھا۔ چند من مانی باتیں تھیں جن پر یہ لوگ ایمان رکھتے تھے اور ان کا سرچشمۂ علم ان کا ظن تھا پھر لوگوں کو دھوکہ دینے اور ان سے مالی منفعت حاصل کرنے کی غرض سے اپنی من مانی باتوں کو اپنے ہاتھ سے لکھ لیتے اور ناواقف لوگوں کے سامنے انہیں پیش کرکے کہتے! دیکھو یہ ہے کتاب الٰہی[1] ان آیات میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے مکر و فریب کا پردہ چاک کرکے ان کی اصلی حقیقت بے نقاب کرتا ہے تاکہ لوگ ان کے فریب کا شکار نہ ہوں۔ غور کرنا چاہیئے کہ ان آیات سے بھی کس قدر واضح طریقہ پر معلوم ہوتا ہے کہ امیت کا دارو مدار کتابت سے ناآشنا ہونے پر نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ نوشت و خواند تو جانتے تھے اور اس بنا پر قرآن کی تصریح کے مطابق یہ من مانی باتیں اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ بلکہ امیت کا اصل وصف امتیازی اور اس کا حقیقی مفہوم کتاب الٰہی کا علم نہ ہونا ہے، خواہ اس کی صورت یہ ہو کہ سرے سے ان کو اس کا علم ہی نہ ہو یا علم تو ہو مگر یہ اس کا اخفا کرتے ہوں یا اس میں تحریف و تاویل باطل سے کام لیتے ہوں۔ فن بلاغت کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ ان دونوں صورتوں پر عدم علم کا اطلاق ہوتا ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس ان آیات کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

---

[1] تفسیر ابن جریر طبری ج ۲ ص ۲۵۹

"فکتبوا کتاباً بایدیھم ثم قالوا لقوم سفلۃ جھال: ھذا من عند اللہ ثمّ سماھم امیین، لجحودھم کتبَ اللہ ورسولہ!"[۱]

یہ رچند یہود، اپنے ہاتھ سے ایک نوشتہ لکھتے تھے اور پھر جاہل اور بے خبر لوگوں سے کہتے تھے، یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہے ان لوگوں کو امیین اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کی کتابوں سے سرکشی کرتے تھے۔

حضرت مجاہد جو مشہور تابعی مفسر ہیں ان سے بھی یہی منقول ہے۔ فرماتے ہیں۔

"ان الامیین الذین وصفھم اللہ بما وصفھم بہ فی ھذہ الایۃ، انھم لا یفقھون من الکتاب الذی انزلہ اللہ علی موسی شیأاً، ولکنھم یتخرصون الکذب ویتقولون الاباطیل کذباً وزوراً!"[۲]

بے شبہ امیین جن کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اوصاف کے ساتھ بیان کیا ہے وہ لوگ ہیں، جو حضرت موسیٰ پر اللہ نے جس کتاب کو نازل کیا تھا اسے کچھ نہیں سمجھتے تھے بلکہ غلط سلط اور جھوٹ اور لغو باتوں کے ہوائی تیر چلاتے تھے۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جو لوگ کتاب الٰہی کا علم نہیں رکھتے ان کے لئے امیون کی اصطلاح خود قرآن کی ایجاد کردہ نہیں ہے، بلکہ یہودیوں کی ہے۔ یہ لوگ اپنے اہل کتاب ہونے کے زعم میں سمجھتے تھے کہ وہ اللہ کا ایک منتخب برگزیدہ و ممتاز گروہ ہیں جیسا کہ قرآن میں بھی ان کے اس زعم باطل کی طرف جا بجا اشارے ہیں اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ جو کتاب اور رسول سے نا آشنا تھے ان کو یہود امیین کہتے تھے جس کے معنی ان کے ہاں الغربا تھے۔[۳] ڈاکٹر جواد علی لکھتے ہیں۔

"یہود اپنے عرب پڑوسیوں کو امیون کہتے تھے اور اس سے مراد وہ لوگ نہیں تھے جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے۔ جیسا کہ بہت سے لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں بلکہ یہ (یہود) اس لفظ کو قوم "بیم" بہ معنی الغربا کے مفہوم میں استعمال کرتے تھے یہ سمجھتے تھے کہ چونکہ خدا نے ان کو وحی نبوت اور انبیا سے سرفراز کیا ہے اس لئے یہ ایک منتخب گروہ ہیں۔ ان کے برخلاف دوسرے لوگ ان چیزوں سے محروم ہیں اس لئے وہ غربا ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور اس لفظ کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوتا ہے جو یہودی نہیں ہوتا تھا۔ پس یہ لفظ امی عبرانی زبان کے لفظ گومی۔

۱؎ تفسیر ابن جریر طبری ج ۲ ص ۲۵۹ ۲؎ تفسیر ابن جریر ص ۲۶۲ ۳؎ المشرق جزء تشرین الثانی ۱۹۳۱ ص ۸۲۰

(GOI) کا مترادف اور یونانی زبان کا لفظ (ETHNOS) کے مقابل ہے[1]۔
اوپر جو کچھ عرض کیا گیا اب اس کی روشنی میں قرآن مجید کی مندرجۂ ذیل آیت جس میں حضور کی بعثت فی الامیین کا تذکرہ ہے پڑھیے تو اس کا مطلب اس معنی و مفہوم سے مختلف نکلتا ہے جو اب تک عام طور پر سمجھے جاتے ہیں، آیت یہ ہے

"ھوالذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم آیتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین" (الجمعۃ ۲:۳)

یہ وہ خدا ہے جس نے امیوں میں سے ایک رسول کو مبعوث فرمایا جو ان پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگرچہ اس سے پہلے یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا تھے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی ایک نشانی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بطور ایک دلیل نبوت کے بیان فرماتا ہے کہ دیکھو، حضور کی ولادت، نشو و نما اور بعثت عرب کے ان لوگوں میں ہوئی جو نہ کتاب الٰہی کا علم رکھتے تھے اور نہ کسی پیغمبر اور وحی سے آشنا تھے اور اس بنا پر کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا تھے۔ یعنی نہ خدا کو جانتے تھے نہ روز حشر کو مانتے تھے، پتھر جیسی بیجان چیزوں کو اپنا معبود یقین کرتے تھے وغیرہ وغیرہ بیشک اس زمانہ کے یہود اور نصاریٰ بھی گمراہ اور صراط مستقیم سے بھٹکے ہوئے تھے مگر ان کی گمراہی اس درجہ کی نہیں تھی، وہ خدا، کتاب الٰہی پیغمبر اور وحی سے تو آشنا تھے قرآن مجید کو بغور پڑھیئے تو صاف نظر آئے گا کہ "ضلال مبین" کے الفاظ مشرکین کے لئے ہی استعمال کئے گئے ہیں اس کے برخلاف جب وہ اہل کتاب کو خطاب کرتا ہے تو کہتا ہے :

"تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم" آؤ تم اس کلمہ کی طرف جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے۔

پھر ان کی صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ یہ کتاب اللہ کی تلاوت بھی کرتے اور پیغمبروں پر ایمان بھی رکھتے ہیں غرض کہ اس آیت میں "لفی ضلال" "مبین" بھی اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ (امیین) وہ لوگ ہیں جو کچھ جانتے ہی نہیں اور کسی بات کا بھی علم نہیں رکھتے اللہ کی یہ شان ہے کہ وہ ایسے ہی لوگوں میں ایک پیغمبر مبعوث کرتا ہے جو ان کو کتاب وحکمۃ کی تعلیم دیتا اور تطہیر نفس کرتا ہے، ورنہ قرآن میں بہت سی باتیں توراۃ و انجیل اور کتب قدیمہ کی ہیں۔ شام کے سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات تھوڑی سی دیر کے لئے بحیرٰی راہب سے ہو گئی تھی تو اس کا بدزبانوں اور دشمنوں نے یہ فضیحتہ کیا اگر کہیں آپ اہل کتاب میں پیدا ہو جاتے اور ان لوگوں کے درمیان آپ کی نشو و نما اور تربیت ہوتی تو پھر

---

[1] تاریخ العرب قبل الاسلام ج ۲ ص ۹۶

خدا جانے کیا کچھ نہیں کہتے پس اللہ کی آیت اور حضور کی نبوت کی دلیل یہ ہے کہ کتاب اور رسول کا علم نہ رکھنے والی قوم میں پیدا ہوئے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دی، اس چیز کا ہرگز اس سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ آپ لکھنا پڑھنا جانتے تھے یا نہیں اور نہ یہ چیز ایسی ہے کہ اس کو بطور معجزہ پیش کیا جائے دنیا میں کتنے لوگ ہیں جو نوشت وخواند سے عاری ہونے کے باوجود نہایت عقلمند، بڑے فرزانہ اور اعلیٰ درجہ کے مدبر اور سیاست داں ہوئے ہیں ہم نے خود بعض ایسے لوگ دیکھے ہیں جو ایک حرف لکھ پڑھ نہیں سکتے تھے اور اس کے باوجود بہترین قسم کے شاعر تھے اس بنا پر ایک ناخواندہ انسان کا معجزہ یہ ہوگا کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے ایک کتاب لکھ کر آپ کو دے دے یا یہ ہوگا کہ وہ حکمت کی باتیں آپ کو بتائے؟

قرآن میں اسی حقیقت کو جو ہم نے بیان کی ہے واضح کرنے کے لئے فرمایا گیا۔

"وماکنت تتلوا من قبلہ من کتب ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب المبطلون" (العنکبوت ۴۸)

اور آپ اس سے پہلے نہ کسی کتاب کی تلاوت کرتے تھے اور نہ اس کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے اگر ایسا ہوتا تو بیشک اہل باطل شک کرتے۔

مفسرین عام طور پر اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ امیت کے معنی لکھ پڑھ نہ سکنا ہیں حالانکہ جیساکہ اور بیسیوں[1] آیات میں کتاب کا لفظ نکرہ لایا گیا ہے۔ یہاں بھی کتاب سے ہر کتاب یا نوشتہ نہیں بلکہ صرف کتاب الٰہی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ چونکہ آپ کی بعثت ان لوگوں میں ہوئی تھی جو کتاب کا علم نہیں رکھتے تھے اس لئے آپ نبوت سے پہلے نہ کسی کتاب سماوی کی تلاوت کرتے تھے اور نہ اس کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے اگر ایسا ہوتا تو پھر بیشک اہل باطل شک کرسکتے تھے اس آیت میں مطلق قرأت اور کتابت کی نہیں بلکہ خاص کتاب الٰہی کی تلاوت اور اس کی کتابت کی نفی کی گئی ہے چنانچہ اس آیت کا سیاق وسباق جس میں اہل کتاب اور ان کی کتابوں اور قرآن کا تذکرہ ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے علاوہ بریں اسی مضمون کو ایک اور آیت میں بھی بیان کیا گیا ہے جس کو دیکھکر یہ بات بالکل یقینی ہو جاتی ہے کہ یہاں مطلق قرأت وکتابت کی نفی ہرگز مراد نہیں ہے ارشاد ہوتا ہے۔

"ماکنت تدری ما الکتب ولا الایمان" (شوریٰ ۵۲)

آپ نہ کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو

---

[1] مثلاً سورۃ الاحقاف کی آیت "ایتونی بکتب من قبل ھذا او اثٰرۃ من علم" میں کتاب سے مراد کتاب اللہ اور علم سے مراد علم انبیاء ہے۔

اس آیت میں کتاب کا معرف باللام ہونا اور الایمان کے ساتھ اس کا مذکور ہونا اس بات کی برہان قاطع ہے کہ کتاب سے مراد کتاب الٰہی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سورۂ عنکبوت کی آیت میں جو کتاب کا لفظ ہے اس سے مطلق کتاب نہیں بلکہ کتاب خاص مراد ہے، کیونکہ "القرآن یفسر بعضہ بعضاً" کا اصول اسی قسم کے مواقع کے لئے ہے۔ اب مزید غور کیجئے تو سورۂ عنکبوت کی آیت سے مطلق کتابت کی نفی تو کیا ثابت ہوتی اور الٹا حضور کے لئے نفس کتابت کا ثبوت ملتا ہے۔ منطق کا مشہور مسلمہ ہے کہ سلب موضوع نفس وجود موضوع کا متقاضی ہوتا ہے۔ جب یہ فرمایا گیا کہ آپ کسی کتاب الٰہی کی کتابت نہیں کرتے تو اس سے ضمناً اس پر دلالت ہوتی ہے کہ آپ کتابت کر سکتے تھے ایک نابینا سے یہ کبھی نہیں کہا جا سکتا کہ تم نے تاج محل کبھی نہیں دیکھا؟ چنانچہ بخاری کی واقعہ حدیبیہ والی روایت جس پر ہم گفتگو کر چکے ہیں اس کے علاوہ بھی متعدد روایات ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور صرف کتابت سے آشنا ہی نہیں تھے بلکہ اس فن کے رمزدان و نکتہ شناس بھی اس درجہ کے تھے۔ کہ امیر معاویہؓ جیسے مشہور کاتب کو بعض اوقات ہدایت فرماتے تھے کہ دیکھو "ب" کو سیدھا کرو "س" کے دندانے بناؤ "م" کو ٹیڑھا مت کرو اور "بسم اللہ" کو زیادہ مت کھینچو۔[1]

جمہور علماء جوامیت کے عام متداول اور مشہور معنی مراد لیتے ہیں ان کا سب سے بڑا استدلال سورۂ عنکبوت کی اسی آیت سے ہے جس پر ہم نے ابھی کلام کیا۔ اب ہم ان روایات پر گفتگو کریں گے۔ جن سے امیت کے اس معنی پر استدلال کیا جاتا ہے۔

(۱) صحیح بخاری کے بالکل شروع میں باب بدء الوحی کے ماتحت جو مشہور حدیث ہے اس میں ہے کہ جب فرشتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غار حرا میں آیا تو اس نے کہا: "اقرأ" (پڑھ) آپ نے فرمایا "ما انا بقادئ" (میں قاری نہیں ہوں) اب فرشتہ آپ سے چمٹ گیا اور پھر اس نے وہی اقرأ کہا اور آپ نے دوسری مرتبہ بھی وہی جواب دیا، یہاں تک کہ تیسری بار فرشتہ نے کہا: "اقرأ باسم ربك الذی الایة" تو حضور نے اس کو جس طرح سنا تھا اسی طرح دھرایا، اس روایت میں حضور کے ارشاد "ما انا بقادئ" سے ان حضرات نے استدلال کیا ہے کہ آپ کو قرأت نہیں آتی تھی۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات جو پیش نظر رکھنی چاہیئے یہ ہے کہ جس طرح ہماری زبان اردو میں پڑھنے

---

[1] حافظ ابن حجر نے فتح الباری ج ۷، ص ۴۰۶، قاضی عیاض کے حوالہ سے یہ آثار نقل کئے ہیں۔

کے دو معنی آتے ہیں ایک کسی کتاب، کسی مضمون یا کسی تحریر کا پڑھنا اور دوسرے زبانی یاد سے کچھ سنانا۔ مثلاً ہم کہتے ہیں اس بچہ نے ایک نظم پڑھی۔ انگریزی زبان میں پہلے معنی کے لئے To Read اور دوسرے معنی کے لئے To Recite کے الفاظ بولے جاتے ہیں، ٹھیک اسی طرح عربی میں لفظ قرأت بھی ان دو معنوں میں مشتمل ہوتا ہے ظاہر ہے جب فرشتہ نے حضور سے "اقرأ" کہا تو اس کے معنی یہ نہیں تھے کہ فرشتہ آپ سے کسی لکھی ہوئی چیز کے پڑھنے کی درخواست کر رہا تھا۔ اس بنا پر "اقرأ" سے یہاں مراد اور دو میں زبانی پڑھو یا سناؤ ہی ہو سکتی ہے اور اس کا قرأت بہ معنی کتاب پڑھنے سے کوئی تعلق ہرگز نہیں ہو سکتا۔

علاوہ بریں اس میں اختلاف ہے کہ "ما انا بقاری" میں "ما" کا لفظ نافیہ ہے یا استفہامیہ اگرچہ عام رجحان یہی ہے کہ نافیہ ہے اور حافظ ابن حجر نے بھی اس کو ہی ترجیح دی ہے لیکن اس موقع پر بعض روایات میں "ما انا بقاری" کے بجائے "کیف اقرأ" میں کیوں کر پڑھوں، اور "ماذا اقرأ" میں کیا پڑھوں، کے الفاظ منقول ہیں اور بقول حافظ ابن حجر کے ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بخاری کی اس روایت میں "ما" نافیہ نہیں، بلکہ استفہامیہ ہے[1]۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جب تک فرشتہ صرف "اقرأ" کہتا رہا آپ اپنے الفاظ دہراتے رہے لیکن جونہی فرشتہ نے آیت پڑھی آپ نے اس کو زبان مبارک سے ادا فرما دیا۔

(۲) ان حضرات کا دوسرا استدلال حدیث ذیل سے ہے۔

"نحن امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب[2]" ہم امی لوگ ہیں، نہ کتاب جانتے ہیں اور نہ حساب۔

یہ روایت صحیح بخاری، مسلم، النسائی اور مسند احمد بن حنبل سب میں حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے اور روزہ سے متعلق ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب میں ماہ و سال کی تعیین کے لئے کوئی خاص تقویم یا جنتری مروج نہیں تھی کچھ لوگ تقویم شمسی پر عمل کرتے تھے اور کچھ لوگ تقویم قمری[3] پر۔ اسلام میں جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو اب یہ سوال بھی پیدا ہوا کہ مہینہ اور اس کے دنوں کی تعیین کس طرح کی جائے؟ اہل کتاب کے ہاں تقویم شمسی کا رواج تھا۔ لیکن اس میں دقت یہ تھی کہ اس میں باقاعدہ حساب کتاب رکھنا پڑتا تھا اور باقاعدہ عمل وہیں ہو سکتا تھا جہاں دفتری نظم و نسق کا اہتمام کیا جاتا ہو اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام سہولت اور آسانی کے پیش نظر قمری تقویم کو اختیار فرما لیا۔ اور

---

[1] فتح الباری ج ۱ ص ۱۹ [2] صحیح بخاری کتاب الصوم باب قول النبی لا نکتب ولا نحسب

[3] تاریخ العرب قبل الاسلام جلد ۵ ص ۲۴۴

ارشاد ہوا، سیدھی سی بات ہے، چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو۔ اس میں مصلحت یہ بھی تھی کہ رمضان کا مہینہ ہمیشہ کسی ایک موسم میں نہ آئے بلکہ اولتا بدلتا رہے۔ اب اس پس منظر کو سامنے رکھ کر غور کیجئے تو حدیث کے الفاظ کا ٹھیٹ اردو ترجمہ یہ ہوگا کہ "ہم لوگ امی ہیں حساب کتاب نہیں رکھتے" یہاں اصل مقصد بیان کرنا حساب کا ہے جس سے مراد ستاروں کی نقل و حرکت (تیسیر نجوم) کا حساب ہے اور کتاب کا لفظ محض تابع غیر مقصود کی حیثیت سے مستعمل ہوا ہے جیسا کہ اس قسم کے موقع پر اردو میں بھی ہوتا ہے، اس سے نفس کتابت دانی کی نفی پر کہاں دلالت ہوئی؛ چنانچہ حافظ ابن کثیر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

"نحن امۃ امیۃ ... ای لا نفتقر فی عبادتنا ومواقیتھا الی کتاب وحساب[1]"

ہم ایک امت امیہ ہیں یعنی اپنی عبادات اور اس کے اوقات میں ہم کو حساب کتاب کی ضرورت نہیں ہے۔

رہ گیا حدیث میں امیۃ کا لفظ تو ایک نکتہ دان بلاغت جانتا ہے کہ اس جگہ یہ لفظ بطور صنعت تجرید کے استعمال ہوا ہے یعنی امی دراصل وہ لوگ ہیں جو کتاب الٰہی کا علم نہیں رکھتے۔ حضور نے یہاں اس لفظ کو مطلق کتاب سے آشنا نہ ہونے یا بالفاظ دیگر صاف سپاٹ سیدھے سادھے ہونے کے معنی میں استعمال فرمایا ہے یہ صرف بلاغت کا ایک اسلوب بیان ہے نہ کہ کسی چیز کا مدار حکم۔

(۳) ایک اور روایت ہے جو ابی بن کعب سے مروی ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبریل سے ملے اور فرمایا۔

"یا جبریل! انی بعثت الی امۃ امیین منھم العجوز والشیخ الکبیر والغلام والجاریۃ والرجل الذی لم یقرأ کتابا قط قال: یا محمد ان القرآن انزل علی سبعۃ احرف[2]۔"

اے جبریل! میں امی لوگوں میں مبعوث کیا گیا ہوں، ان میں بوڑھی عورتیں بھی ہیں اور بوڑھے مرد بھی، لڑکے بھی ہیں اور لڑکیاں بھی اور وہ لوگ بھی جنہوں نے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی ہے۔ جبریل نے کہا، اے محمد! بے شبہ قرآن سات احرف (یعنی قراءت) پر نازل کیا گیا ہے۔

اس روایت میں "الرجل الذی لم یقرأ کتابا" سے یہ حضرات استدلال کرتے ہیں کہ امیت کے معنی قرأت و کتابت سے نا آشنا ہونا ہیں، لیکن ادنیٰ تامل سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں بھی قرأت سے مراد زبانی

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج اص ۷۰، [2] جامع الترمذی کتاب ابواب القرأت باب ماجاء انزل القرآن علی سبعۃ احرف

کسی چیز کا پڑھنا ہے نہ کسی کتاب کو دیکھ کر پڑھنا! اور حضور کا مطلب وہی ہے کہ میں پیدا تو ان لوگوں میں ہوا ہوں جو کسی کتاب الٰہی سے آشنا نہیں اور اس لئے اس کی تلاوت کے آداب و رسوم کیا ہیں؟ اس کے بعض خاص مصطلحات اور الفاظ کا تلفظ کس طرح ہونا چاہیئے؟ ان چیزوں سے وہ واقف ہی نہیں، چنانچہ جبریل نے جو جواب دیا وہ اسی چیز سے متعلق تھا انہوں نے کہا. قرآن میں تو سات قرائتیں ہیں. اگر ان میں کچھ لوگ ایک قرات سے الفاظ ادا نہیں کر سکیں گے تو دوسری قرآت سے کریں گے، اس میں کوئی بات تشویش کی نہیں ہے، ظاہر ہے اس تشریح کے ماتحت قرات وکتابت بہ معنی نوشت وخواند کا اس حدیث میں کوئی تذکرہ نہیں کہ اس سے امیت کے اس معنی زیر بحث کے لئے استدلال کیا جا سکے۔

قرآن مجید میں ایک اور جگہ امیین کا لفظ آیا ہے اور وہاں بھی اہل کتاب کے مقابل کی حیثیت سے ان کو بیان کیا گیا ہے. ارشاد ہے۔

"ومن اهل الكتٰب من ان تامنه بقنطار يؤده اليك ومنهم من ان تامنه بدينار لا يؤده اليك الا مادمت عليه قائماً ذالك بانهم قالوا ليس علينا فى الاميين سبيل ويقولون على الله الكذب وهم يعلمون" (آل عمران آیت ۷۵)	اور اہل کتاب میں لوگ بعض تو ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کے پاس روپیوں کا ایک ڈھیر بھی امانت رکھدیں تو وہ آپ کو لوٹا دینگے اور بعض ان میں ایسے ہیں کہ اگر آپ ایک دینار بھی ان کے پاس امانت رکھیں گے تو جب تک آپ کے سر پر ہر وقت کھڑے ہی نہ رہیں وہ نہ لوٹائیں گے ان کا یہ طرزِ عمل اس لیے ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ امیون کا ہم پر کوئی بس نہیں چلتا اور یہ لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور آنحالیکہ (جو بات حق ہے اسے) یہ خود جانتے ہیں۔

غور کیجئے! اس آیت سے کس طرح صاف ظاہر ہے کہ اہل کتاب اپنے علاوہ عرب کے تمام لوگوں کو امیون کہتے تھے، اور کتاب الٰہی وغیرہ سے چونکہ یہ لوگ آشنا نہیں تھے اس لئے ان کو اس درجہ حقیر و کم مایہ سمجھتے تھے کہ بد عہدی اور خیانت کا ان کے ساتھ معاملہ کرنے میں بھی ان کو باک نہیں ہوتا تھا جس پہ خدا نے ان کو تنبیہ کی۔

یہ واضح رہنا چاہیئے کہ ہمارے مفسرین میں بھی بعض حضرات اس حقیقت سے باخبر تھے چنانچہ صاحب تفسیر "المنار" سید رشید رضا لکھتے ہیں۔

"وكان اهل الكتاب يسمون العرب بالا	اور اہل کتاب نے عربوں کا نام امیین رکھ چھوڑا تھا اور غالباً

مبین ولعلہ کان لقباً لاھل الحجاز ومن جاورھم دون اھل الیمن"[1]

یہ یمن کے لوگوں کو مستثنیٰ کرکے حجاز کے لوگوں اور ان کے پڑوسیوں کا لقب تھا۔

جیسا کہ گزر چکا ہے امی لفظ کی اصل کیا ہے؟ اس سلسلے میں متعدد اقوال نقل کئے جاتے ہیں لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ اگر یہ لفظ خالص عربی ہے اور کسی عبرانی لفظ سے اس کا پیوند نہیں ہے تو یہ ام القریٰ سے بنایا گیا ہے اور امی اب وہ لوگ ہوئے جو ام القریٰ یعنی مکہ کے رہنے والے تھے اور بعض حضرات نے یہ لکھا بھی ہے کہ اس صورت میں امیون میں وضع لغوی کے اعتبار سے تو مقامی نسبت ہوئی مگر ان کی خصوصیت وہی کتاب الٰہی کا عدم علم رہی جس کے باعث یہود ان کو اپنے سے کمتر سمجھتے تھے۔

قرآن بے شبہ عالم انسانیت کا ایک عظیم معجزہ ہے جس کا ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ہوا ہے اور یہ دونوں حیثیتوں سے معجزہ ہے، معنی ومطلب کے اعتبار سے اور الفاظ ونظم کلام کے اعتبار سے بھی پہلی حیثیت کو اس طرح واضح کیا گیا کہ سورہ الاعراف کی دو آیتوں میں یکے بعد دیگرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت الامی بھی بیان کی گئی ہے یعنی ایک ایسا پیغمبر جس کے نہ خاندان میں اور نہ عزیزوں قریبوں میں کوئی پیغمبر تھا، جو نہ خود کتب الہیہ سے واقف تھا، اور نہ جس کی پیدائش اور تربیت کتب الہیہ کا علم رکھنے والے لوگوں میں ہوئی تھی، پھر اس کی زبان سے علوم اولین وآخرین کے حقائق بیان ہوتے ہیں. تو غور کرو یہ کیونکر ہوتے ہیں؟ اور ان سب کا سرچشمہ کہاں ہے؟ اہل کتاب کو خصوصاً اور دوسروں کو عموماً اس پر حیرت واستعجاب ہوسکتا تھا کہ ایک امی کی زبان سے کتب الہیہ قدیمہ کے حقائق کیسے کر بیان ہو رہے ہیں تو قرآن نے کہا اس پر حیران ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ یہ امی پیغمبر ہے اور تم لوگوں کے لئے اس لئے اجنبی نہیں ہے کہ خود تمہاری کتابوں میں اس کا ذکر اور اس کے آنے کی بشارتیں مرقوم موجود ہیں. چنانچہ ارشاد ہو:

"الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوباً عندھم فی التوراۃ والانجیل"، (۱۵۸)

وہ لوگ جو اس امی رسول ونبی کا اتباع کرتے ہیں. جس کو وہ اپنے ہاں توراۃ وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

توراۃ وانجیل کی ان بشارتوں کا تذکرہ بہت سی کتابوں میں ہے. لیکن ہمارے نزدیک اس پر سب سے

---

[1] جلد ۹ ص ۲۲۴

زیادہ جامع کتاب مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی "اظہار الحق" ہے سید رشید رضا نے بھی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں متعدد صفحات میں مولانا کیرانوی کی اسی کتاب کے حوالے سے بشارات نقل کی ہیں ان میں ایک بشارت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امیت اور بعثت فی الامیین کی طرف بھی اشارہ ہے چنانچہ صاحب "المناد" نے اس کی تشریح میں قرآن مجید کی آیت "ھوالذی بعث فی الامیین" نقل بھی کی ہے وہ بشارت جو کتاب استثنا کے باب ۳۲ کی اکیسویں آیت ہے حسب ذیل ہے۔

"خدا نے کہا کہ ان لوگوں نے غیر خدا کو خدا مان کر اور اپنے معبودات باطلہ میں الجھ کر میری غیرت کو بھڑکایا اور مجھ کو غصہ دلایا ہے تو میں بھی اس کا بدلا ان لوگوں کے ذریعہ لوں گا۔ جو غیر شعب" ہوں گے اور جاہل طبقے سے تعلق رکھتے ہوں گے"۔

سید رشید رضا کہتے ہیں کہ یہود اپنے آپ کو "شعب" کہتے تھے اور اپنے علم پر مغرور تھے اس لئے "غیر شعب" اور "جاہل طبقہ" سے وہی لوگ مراد ہیں جن کو قرآن "امیین" کہتا ہے[1]

بس گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت امیت قرآن مجید کے باعتبار معانی و مطالب معجزہ و کلام الٰہی ہونے کی طرف اشارہ ہے، اب رہا قرآن کا باعتبار زبان والفاظ معجزہ ہونا! تو اس کو اس طرح بیان فرمایا گیا

"ولقد نعلم انھم یقولون انما یعلمہ بشر لسان الذی یلحدون الیہ اعجمی ھذا لسان عربی مبین" (النحل آیت ۱۰۳)

اور ہم جانتے ہیں یہ لوگ کہتے ہیں کہ ان (محمد) کو ایک شخص سکھاتا ہے مگر جس کی طرف یہ تعلیم کی نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ صاف عربی زبان ہے۔

مکہ میں ایک غلام تھا اس کے نام کے بارہ میں اختلاف ہے، عبداللہ بن عباس بلعام بتاتے ہیں اور عکرمہ یعیش۔ اس کے علاوہ بعض حضرات نے جبر اور ابو فکیہہ بھی نام بتائے ہیں۔ بہرحال حضور کا اس کے یہاں آنا جانا تھا یہ شخص کچھ لکھا پڑھا تھا اس لئے دشمنوں نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ غلام آپ کو تعلیم دیتا ہے خدا اس تہمت والزام کی تردید کرتا ہے، تو معانی و مطالب کے لحاظ سے قرآن کے کلام الٰہی ہونے کو حضور کی صفت امی کے ذریعہ بیان کر ہی چکا تھا صرف زبان اور الفاظ کا معاملہ رہ گیا تھا اسے اس آیت میں صفائی کے ساتھ بیان کر دیا گیا کہ اس شخص کی زبان اعجمی غیر فصیح ہے اور یہ عربی مبین ہے جس کی ایک سورت کیا ایک

(باقی بر ص ۵۲)

---

[1] تفسیر المنار ج ۹ ص ۲۵۹

حضرت مولانا محمد ظہور الحق صاحب مدظلہ

علم دین کی فضیلت و اہمیت

ایک انسان جتنی صفات و کمالات سے آراستہ و پیراستہ ہوسکتا ہے ان میں سب سے اعلیٰ کمال اور سب سے بڑی صفت "علم" ہے۔ اس صفت (یعنی صفتِ علم) کو باقی تمام صفات پر ایک خاص شرافت و فضیلت اور نمایاں فوقیت و برتری حاصل ہے اس لئے اسے "ام الصفات" بھی کہا جاتا ہے، دینِ اسلام نے اس صفت کو اپنانے کی بہت زیادہ تاکید و تلقین فرمائی ہے ھادئ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم (علم دین کی طلب ہر مسلمان پر فرض ہے۔)

ایک اور مقام پر یوں فرماتے ہیں تعلموا الفرائض والقرآن وعلموا الناس (فرائض و میراث اور قرآن پاک کا علم حاصل کرنا لوگوں کو سکھلاؤ گویا علم دین کا بقدرِ ضرورت حاصل کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

قرآن و حدیث میں اہل علم کی بہت فضیلت و تعریف آئی ہے تیئسویں پارے میں فرمایا گیا ہے۔

قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون انما یتذکر اولوا الالباب

کہئے کہ کیا وہ (دونوں قسم کے) لوگ برابر ہیں جو علم دین کے حامل ہیں اور جو علم نہیں رکھتے یقیناً (بڑے مغز اور) عقل والے لوگ ہی (اللہ کو) یاد کرتے ہیں۔

۲۲ ویں پارہ میں ارشاد ہے انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء اللہ سے وہ ہی لوگ ڈرتے ہیں جو علم دین رکھتے ہیں۔ اور بھی آیاتِ کثیرہ اس امر پر شاہد ہیں کہ اہل علم کا مقام خدا کے ہاں بہت ہی بلند ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین

(اللہ تعالےٰ جس سے بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین کی گہری سمجھ عطاء فرما دیتے ہیں) اور فرمایا ان العلماء ورثۃ الانبیاء علماء دین ہی انبیاء کرام کے وارث ہوتے ہیں

ایک اور جگہ یوں ارشاد فرمایا کہ اہل علم کی بقا چاہنے کے لئے کائنات کا ذرہ ذرہ دست بدعاء رہتا ہے کیونکہ علماؤ کی بقاء سے کائنات کی بقاء وابستہ ہے۔

طالب علم کے بارے میں مدینۃ العلم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان الملئکۃ لتضع اجنحتہا رضا لطالب العلم یعنی فرشتے رغائبانہ ہی) طالب علم دین کی خوشنودی چاہنے کے لئے اپنے پر جھکاتے اور بچھا دیتے ہیں۔

ایک حدیث میں علم دین کے طالب کو یوں خوشخبری دی گئی ہے کہ جو بھی کوئی ایسی راہ چلتا ہے کہ اس سے علم حاصل کرے تو اللہ تعالےٰ اس کی وجہ سے اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرما دیتے ہے۔

ایک دفعہ صحابہ کرامؓ کو وصیت فرمائی کہ ان الناس لکم تبع وان رجالاً یاتونکم من اقطار الارض یتفقہون فی الدین فاذا اتوکم فاستوصوابہم خیراً۔

لوگ تمہارے پیچھے چلنے والے ہیں اور تمہارے پاس روئے زمین کے اطراف واکناف سے دین کی گہری سمجھ حاصل کرنے کے لئے لوگ آیا کریں گے۔ تو جب وہ لوگ تمہارے پاس آئیں تو تم ان کے ساتھ بھلائی کی میری وصیت جانو۔

کون ہے جو ان خوش قسمت انسانوں کی رفعتوں اور بلندیوں کا اندازہ کر سکے جن خوش نصیبوں کے لئے خود فخر دو عالمؐ یہ وصیت فرماتے ہوں کہ ان سے بھلائی سے پیش آنا۔ اچھا سلوک کرنا اور کس قدر سعادت مند ہیں وحضرات جو اس وصیتِ نبوی کے پیش نظر ان طالب علموں کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھتے ہیں اور ان کی تعظیم وتوقیر کرتے ہیں۔

مختصر یہ کہ علم دین حاصل کرنے کی دینی علم پڑھنے کی بہت تاکید آئی ہے اور علماء دین کی خوب تعریف فرمائی گئی ہے۔ واضح ہو کہ علم دین وہ علم ہے جو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر اتارا گیا جس میں رضاء الٰہی کے کام اور ناراضی کے افعال بتلائے جاتے ہیں۔ اس وقت اس علم کے سیکھنے اور سکھانے کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ معتبر مدارس دینیہ ہیں مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ان مدارس کے ساتھ فراخدلی سے تعاون کریں

احسان دانش

ہدیۂ عقیدت

ہے اُن کی یاد کا عالم بھی بندگی کی طرح
غموں میں بھی مجھے لذّت سی ہے خوشی کی طرح

زہے ہوائے مدینہ زہے دیارِ رسولؐ
کہ بیخودی کا ہے عالم خود آگہی کی طرح

یہ آرزو ہے درِ مصطفٰےؐ پہ دم نکلے
یہ قرض بھی ہوا ادا قرضِ زندگی کی طرح

ترے خیال سے محروم ہر قدم پہ حیات
گذر رہی ہے بالاقساط خودکشی کی طرح

ہیں کب سے تیرگیاں میرے غمکدے کا کفن
چلے بھی آؤ کسی روز چاندنی کی طرح

یہ عشق ہے کہ جنوں کا کوئی مقامِ بلند
ہجومِ غم بھی ہے پندارِ بندگی کی طرح

مری نظر ہے تمہیں پر مری خبر لینا
پھروں نہ حشر کے میداں میں اجنبی کی طرح

کمالِ قلب و نظر ہو کہ رُوح کی معراج
خدائی کی مرے آقا نے بندگی کی طرح

شہید اگرچہ نگاہوں سے ہو گئے روپوش
ہر اک ہے وقت کے پردے میں خلوتی کی طرح

دیے کی طرح ستارے بھی دے رہے ہیں جواب
دیارِ دل میں اُتر آؤ روشنی کی طرح

وُہ موجِ کیف ترے نام سے جو مشتق ہے
رواں ہے جسم کی رگ رگ میں سنسنی کی طرح

غمِ رسولؐ فروزاں ہے جن کے سینوں میں
وُہ ظلمتوں سے گزرتے ہیں روشنی کی طرح

عیاں ہیں جن پہ شہادت کے راز اے دانشؔ!
وہ لوگ موت پہ گرتے ہیں زندگی کی طرح

صوم کی روحانی، جسمانی اور اجتماعی خصوصیات

مولانا محی الدین الالوائی

صوم ایک دینی فرض اور ایسی عبادت محمودہ ہے کہ جملہ انبیاء کرام کی شریعتوں میں موجود ہے اور تمام آسمانی کتابوں میں اس کا بیان اور اس کے فضائل مذکور ہیں۔ ہاں احوال وظروف اور زمان ومکان کے لحاظ سے صوم کی کیفیت اور اس کی ادائیگی کا طریقہ مختلف رہا ہے۔ جیسا کہ اختلافِ شرائع کے بیان میں قرآن نے فرمایا:

لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا

لیکن اس اختلاف کے باوجود تمام مذاہب سابقہ کا صوم کی فرضیّت پر اتفاق ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

یاایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ایاما معدودات

یعنی اے شریعتِ محمدیہ کے ماننے والو تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح اگلوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ گنتی کے چند ایام تک روزہ رکھنا ہے۔

روزہ اگلی اُمتوں پر جن دنوں میں فرض کیا گیا تھا۔ اس بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے کہ آیا وہ رمضان کے مہینہ میں تھا یا ہر ماہ میں تین دن تھا یا اس کے علاوہ۔ لیکن تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ بے شک تمام اگلی امتوں پر روزہ فرض تھا

روزہ ایک ایسی عبادت ہے جو نفس کو پاکیزہ اور قلب کو آلائش سے صاف کر دیتی ہے اور خوفِ الٰہی کا شجرہ طیّبہ دل میں بٹھا دیتی ہے۔ روزہ ایک ایسی مخفی عبادت ہے کہ سوائے خدا کے کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ اسی لیے اللہ نے اس کی نسبت اپنی طرف کر لی ہے اور دوسرے فرائض کے برخلاف اس کے اجر و ثواب کی حدود کو پوشیدہ رکھا ہے۔ گویا یہی صوم ایک راز ہے اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان۔ پس قیامت کے دن بھی سوائے روزہ داروں کے کوئی اس کی جزا کو نہ جانے گا۔ اس بارے میں احادیث و آثار بھرے

پڑے ہیں۔ ایک حدیث میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ کے ہر عمل کی نیکی سات سو تک بڑھائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا" مگر روزہ تو میرے لیے ہے اور اس کی جزا میں ہی دوں گا (کتنی دُوں گا یہ راز ہے) کیونکہ بندہ کھانا پینا میری ہی وجہ سے ترک کر دیتا ہے اور دوسری لذّات اور اپنی بیوی کو بھی میرے ہی لیے ترک کر دیتا ہے" جب یہ عمل اللہ ہی کے لیے ہے تو اللہ نے بھی اس کی جزا اپنے ہی لیے مخصوص کر لی تاکہ عمل اور جزا میں مطابقت ہو جائے۔

صحتِ جسمانی کے لحاظ سے روزہ کی اثر انگیزی یہ ہے کہ بدن کی صفائی کر دیتا ہے اور کھانے پینے میں بداحتیاطی سے جو امراض جسم کو لاحق ہوتے ہیں۔ اُن کا ازالہ کرتا ہے۔ جیسا کہ ایک اثر میں آیا ہے کہ "معدہ امراض کا گھر ہے اور فاقہ کشی سب سے بڑی دوا ہے" ۔ ایک واقعہ ہے کہ آنحضورؐ کی خدمت میں کسی نے ہدیہ ارسال کیا اور اسی دوران میں ایک طبیب بھی پہنچا۔ آپؐ نے ہدیہ قبول فرمالیا اور طبیب کو یہ کہہ کر لوٹا دیا کہ "ہم وہ لوگ ہیں کہ جب تک خوب بھوک نہ لگے، کھانا نہیں کھاتے اور جب کھانا کھاتے بھی ہیں تو پیٹ بھر کر نہیں کھاتے" ۔ اِس قول میں اِس بات کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ روزہ بہت سے امراض کو دور کر دیتا ہے۔ کیونکہ روزہ دار بھی لامحالہ جوُع (بھوک) کا حامل ہوتا ہے اور اِس میں اِس بات کی طرف ہمیں اشارہ ہو گیا کہ روزہ ایک ربّانی طبیب اور آسمانی علاج ہے۔ جو اللہ کی سب سے بڑی نعمت "صحت" کی حفاظت کرتا ہے۔ اس مقام پر اگر ہم قدیم و جدید اطبا و ڈاکٹروں کے اقوال کا تذکرہ کریں تو بحث طویل ہو جائے گی۔ بس اتنا کافی ہے کہ اکثر اطباءِ جہان نے یہ کہہ دیا ہے کہ روزہ اکثر بیماریوں میں تو عام طور پر مفید ہوتا ہی ہے۔ لیکن بعض بیماریاں ایسی ہیں کہ جن میں روزہ واحد علاج ثابت ہوا ہے اور بیماریوں کی تفصیل کتبِ طب میں مذکور ہے۔ اضطرابِ امعاء، سمنیت، پیشاب میں شکر آنا، التہابِ کلی، امراضِ قلب، التہابِ مفاصل، ضعفِ دم وغیرہ بہت سے امراض ہیں۔ جن کی کلیدِ شفا اللہ کے اِس فریضۂ صوم میں رکھ دی گئی ہے اور پھر افطار کے بعد اعتدال کے ساتھ کھانا اور سحری کے وقت معتدل غذا کا استعمال بھی صحت کے لیے ضروری ہے۔ آنحضورؐ کا ارشاد ہے۔ "انسان کے لیے چند لقمے کافی ہیں۔ جن سے بدن سیدھا رہ سکے۔ اگر کچھ زیادہ ہی کھانا ہو تو شکم کے تین حصے کر کے، ایک حصہ میں کھانا کھائے، دوسرے حصہ میں پانی پیئے اور تیسرے حصے کو سانس کے لیے رہنے دے"

دوسرا حکیمانہ ارشادِ نبویؐ ہے کہ "انسان سب سے بُرا برتن جو بھرتا ہے۔ وہ پیٹ ہے"۔ ہر سال ایک ماہ تک روزے رکھنے اور کھاتے وقت اعتدال پر رہنے سے سال بھر کی بے اعتدالی سے بدن کی صحت

کا بگڑا ہوا توازن درست ہو جاتا ہے اور بھی جانے کتنے ایسے اسرار اور رموز ہیں جو اب تک اطبّاء اور ڈاکٹروں کی نگاہوں سے مخفی ہیں۔ پاک ہے وہ ذات جس نے بیماری نازل کی اور اس کا علاج بھی بتلا دیا۔

تہذیبِ نفس اور روحانی ارتقاء کے لیے تو صوم نے بڑی بڑی وسعتیں پیدا کر دیں چنانچہ ارشاداتِ رسالتؐ کا ایک ذخیرہ اس باب میں موجود ہے۔ ارشاد ہے :

"اے جوان لوگو! تم میں سے جو کوئی اخراجاتِ ضروریہ کی کفالت کر سکتا ہے تو ضرور شادی کرنی چاہیے، کیونکہ اس سے نگاہ اور شرمگاہ کی معصیت سے بچ جائے گا اور جو کوئی کفالت کی قدرت نہ رکھتا ہو تو وہ روزہ رکھ لے۔ یہ اس کے لیے معصیت سے بچاؤ کا ذریعہ ہوگا۔"

دوسری جگہ ارشاد ہوا :

"جو روزہ رکھ کر جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اس کے کھانا پینا چھوڑنے سے کچھ حاصل نہیں۔" کیونکہ روزہ کا مقصد ہی تہذیبِ نفس اور تہذیبِ اخلاق ہے اور بھی بہت سی احادیثِ رسولؐ موجود ہیں جو روزہ دار کو زبان و دل اور عمل کی تطہیر پر تنبیہہ کرتی ہیں۔

روزہ ایک طرف نفسِ انسانی کو شدائد و محن کا خوگر بناتا ہے تو دوسری طرف رحم و مروّت اور غرباء و مساکین پر عنایت کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ نفس فوراً متوجہ ہو جاتا ہے کہ آج میں چند روز بھوک سے پریشان ہوں اور اللہ کے مفلس بندے سال بھر بھوک میں رہ کر کتنی پریشانیاں اٹھاتے ہوں گے۔ یہ خیال ہوتے ہی نفس جذبۂ رقت و کرم سے معمور ہو جاتا ہے اور غرباء و مساکین کی خبر گیری کے لیے ہاتھ کھول دیتا ہے۔ نفس کا یہ درس بالکل فطری ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام باوجودیکہ مصر کی دولت کے مالک تھے۔ بھوکے اکثر رہا کرتے اور جب اِن سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں بھوک کی شدّت گوارا کرتے ہیں۔ حالانکہ آپ کے ہاتھ میں دنیا جہان کی دولت خدا نے دے رکھی ہے تو حضرت یوسفؑ نے جواب دیا کہ مجھے اس بات کا ڈر لگتا ہے کہ اگر پیٹ بھر کھالوں تو کہیں اللہ کے بھوکے بندوں کو فراموش نہ کر بیٹھوں!

روزے کی اجتماعی خصوصیّت بھی عظیم الشّان ہے، جس نے دنیا کی ایک اُمّت کو ایک کڑی میں پرو دیا۔ وحدت و یک رنگی کا اس سے بڑا مظہر اور کیا ہوگا کہ شریعت کے اس ایک حکم نے روئے زمین کے کُل اطراف و جوانب میں بسنے والے لوگوں کو یکساں مطیع بنا دیا کہ رمضان آتے ہی طلوعِ فجر سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانا پینا سب لوگ چھوڑ دیتے ہیں اور جب غروبِ آفتاب ہو جاتا ہے تو بیک وقت کھانے پینے کی سب

کو اجازت مل جاتی ہے۔ بلکہ وحدتِ اُمّت کا یہ عجیب تماشا قابلِ دید ہے کہ سب کو حکم ہوتا ہے کہ اوّل وقت میں افطار کرو اور جو شخص افطار تاخیر سے کرے تو وہ بڑے خیر سے محروم ہو جاتا ہے اور طریقۂ اسلام کا مخالف گردانا جاتا ہے :

لا تزال امتی بخیر ما عجلوا الفطر و اخروا السحور (الحدیث)

صوم کی قدر و منزلت بڑھانے کے لیے اللہ نے سب سے افضل مہینہ "رمضان" پسند فرمایا، جس کی شان اس طرح بیان ہوئی۔ الذی انزل فیہ القرآن کہ اسی ماہ معظّم میں قرآن جیسی گنجینۂ ہدایت کتاب کا نزول ہوا۔ قرآن کے علاوہ اور بھی آسمانی کتابیں دوسرے انبیاءؑ پر اسی ماہ مبارک میں نازل ہوئیں۔ جیسا کہ امام احمد بن حنبلؒ نے واثلہ بن اسقع سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "صحفِ ابراہیمؑ ماہِ رمضان کی پہلی رات میں نازل ہوئے۔ کتابِ توراۃ چھ رمضان گزرنے پر نازل ہوئی اور انجیل تیرھویں رمضان کو نازل ہوئی اور قرآن چوبیس رمضان گزر جانے پر نازل ہوا۔" اور بھی دوسری روایات ہیں، جن میں تاریخِ نزول کا فرق بیان ہوا ہے۔ مگر اس بات پر اتفاق ہے کہ رمضان میں ان کا نزول ہوا ہے اور اس ماہِ رمضان کی عظمت بھی کتنی بڑی ہے کہ اس میں ایک رات لیلۃ القدر قرار پائی جس نے اُمّتِ محمدیہ کا مقام بہت بلند کر دیا۔ کیونکہ اُمّتِ محمدیہ کی عمریں اُمم سابقہ کے مقابلہ میں بہت کم ہیں، مگر اس ایک رات کو ہزار ماہ سے برتر قرار دے کر اس اُمّت کو مالا مال کر دیا۔

اس ماہِ مبارک کے فضائل پر اگر ہم لکھنا چاہیں تو دامنِ قرطاس تنگ ہو جائے گا اور قلم ماند پڑ جائے گا۔ اس لیے ہم صرف اس حدیث کی طرف اشارہ کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ جس میں رمضان کے فضائل کا بیان ہے۔ اور جس نے مسلمانوں کی ہمّتوں کو بیدار کیا ہے۔

"سلمان فارسیؓ" سے روایت ہے کہ "شعبان کے آخری روز حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا گیا کہ لوگو! بڑا عظیم اور مبارک مہینہ سایہ فگن ہے۔ اس میں ایک رات ہے جو ہزار ماہ سے بہتر ہے۔ اللہ نے اس ماہ میں دن کو روزہ رکھنا فرض کیا اور رات کا قیام مزید درجہ کا باعث قرار دیا۔ اس ماہ کی ایک نفل دوسرے ماہ کے فرض کے اجر کی مستحق ہوئی اور اس ماہ میں ایک فرض دوسرے ماہ کے ستّر فرض کے اجر کا حامل ہے۔ نفس کو مصائب کا خوگر بنانے والا یہ مہینہ ہے۔ ضبطِ نفس کا اجر جنت ہے یہ غم خواری پیدا کرنے والا مہینہ ہے۔ اس میں مومن کا رزق فراواں ہو جاتا ہے۔" آخر میں فرمایا :

اِس ماہ کے تین دَور ہیں۔ پہلا عشرہ رحمت کی بارش برساتا ہے۔ دوسرا عشرہ مغفرت کا مژدہ سناتا ہے اور تیسرا عشرہ عذاب سے نجات دلاتا ہے۔" اس ماہ میں رحمت کا اتنا فیضان ہوتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو بھی رحم وکرم میں ڈوبا ہوا دیکھنا چاہتا ہے۔ چنانچہ جس شخص نے رحم کر کے اپنے غلام کے کاموں میں تخفیف کر دی تو اس کو مغفرت اور جہنم سے آزادی کا مژدہ سناتا ہے۔

لوگو! اس ماہ میں چار چیزوں کو خوب حاصل کرو۔ دو چیزیں ایسی ہیں کہ ان سے اللہ کو خوش کر سکتے ہو اور دو چیزیں ایسی ہیں کہ جن سے تم کبھی بے نیاز نہیں ہو سکتے۔

پہلی دو چیزیں ہیں، کلمہ شہادت اور استغفار اور دوسری چیزیں دو ہیں جنّت کی طلب اور جہنم سے پناہ مانگنا۔

"صوم" کتنا عظیم الشان فریضہ ہے اور کس قدر اس میں حکمتیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو اسلام کا ایک رُکن قرار دیا گیا اور اس نے اسلام مسلمان کو خیر و برکت سے مالامال کر دیا۔

بقیہ "الامیون"

آیت کا مثل بھی عرب کے بڑے بڑے نامور متحدہ سعی و کوشش کے باوجود پیدا نہیں کر سکے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت امی کے جو معنی ہم نے متعین کئے ہیں یعنی کسی کتاب الٰہی کا علم نہ ہونا قرآن مجید میں اسی کو ایک مقام پر اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

ووجدك ضالًا فهدىٰ (والضحیٰ) اور خدا نے آپ کو ضال پایا تو ہدایت دی۔

یہاں "ضال" کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو کتاب الٰہی کا علم نہ تھا کیونکہ وحی آنا شروع نہ ہوئی تھی

اس مضمون میں صرف امی اور امیون کے صحیح معنی و مفہوم کو متعین اور ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور بس۔ رہی یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھنا پڑھنا آتا تھا یا نہیں؟ ہم کو نہ اس پر اصرار ہے اور نہ اس سے انکار کیونکہ رسمی طور پر چند حروف کی شکل و صورت اور ان کے پیچ و خم سے آشنا ہونا یا نہ ہونا فی نفسہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو کسی انسان کے لئے کوئی بڑا معیار کمال و نقص بن سکے اصل چیز دماغ روشن، دل بیدار اور حساس و دراک ذہن ہے۔

چمکائے جا دُنیا کو انوارِ مدینہ سے

(حضرت مولانا عبد الواحد صاحب مدظلہٗ دار العلوم دیوبند)

انبار ہیں پھولوں کے تخئیل کی راہوں میں
فردوس بداماں ہے ہر جلوہ نگاہوں میں

بیتاب ہے لینے کو فطرت جسے باہوں میں
وہ حسن سمویا ہے لفظوں کی پناہوں میں

تحریر کی یہ خوبی ہے شانِ عطاء اسکی

جذبات کے پردے میں گونجی ہے نوا اسکی

جو صفحہ بھی ہے اس کا معمور ہے رحمت سے
تشبیہ اسے کیا دوں میں گلشنِ جنت سے

تنقید سے بالاتر معیار کی عظمت سے
اونچا ہے مقام اس کا سرکار کی نسبت سے

سو حسن لیے فکر و احساس میں کھنچ آئی

بطحا کے گلستاں کی مہکی ہوئی رعنائی

وہ ذکرِ نبیؐ جیسے دل وجد میں آیا ہو
اک ایک حرف گویا زمزم میں نہایا ہو

پاکیزہ مضامین کو اس طرح سجایا ہو
قرطاس و قلم نے بھی خود لطف اٹھایا ہو

انداز حسین اس کا یوں قلب و نظر میں ہے

فرمانِ رسل جیسے اک ایک سطر میں ہے

ایمان و یقین کی اللہ دے افزائش پابندِ شریعت ہے الفاظ کی زیبائش

ہے داد سے مستغنی یہ حسن یہ آرائش اک نقش نگاریں ہے عنوان کی زیبائش

ہر قوس میں پوشیدہ شبنم کا پیالہ ہے

جو نقطہ دلکش ہے داغِ دلِ لالہ ہے

سوئے ہوئے لوگوں کی نیندوں کو اڑائے جا اللہ کی وحدت کا پھر نقش بٹھائے جا

اندازِ جہاں بانی آباد سکھائے جا کونین کے محسن کا پیغام سنائے جا

نسبت کا شرف تجھ کو سرکارِ مدینہ سے

چمکائے جا دنیا کو انوارِ مدینہ سے

ضروری اطلاع

رجب کے شمارہ پر "شمارہ نمبر ۴" لکھا ہوا دیکھ کر بہت سے حضرات نے شکوہ کیا ہے کہ انہیں پہلے تین شمارے کیوں نہیں بھیجے گئے۔ اطلاعاً عرض ہے کہ رجب کا شمارہ ہی پہلا شمارہ ہے اس سے پہلے انوار مدینہ کا کوئی شمارہ منظر عام پر نہیں آیا۔ شمارہ نمبر ۴ محض ایک قانونی ضابطے کی بنا پر لکھنا پڑا ہے۔ (ادارہ)

بدل اشتراک: سالانہ ــــ ۵ روپے (طلبہ کیلئے ــ ۴ روپے) فی پرچہ پچاس پیسے

سید محمد یحییٰ ہمدانی قصوری

ساداتِ ہمدانی قصور کے قلمی نوادر

قسطِ اول ۲

عنوانِ بالا کے تحت اس دفعہ کتب خانہ ہمدانیہ قصور کی دو نادر کتابوں (۱) احادیثِ قدسیہ (۲) التعلیقات علیٰ عذاب القبر لشرح العقائد) کا تعارف پیشِ خدمت ہے۔

(۱) احادیثِ قدسیہ

احادیثِ قدسیہ کے بہت سے مطبوعہ نسخے کتب خانوں میں موجود ہیں جن میں یہ احادیث بڑی تعداد میں محفوظ ہیں۔ ہمارے زیرِ تبصرہ اس وقت جو قلمی نسخہ ہے یہ چند منتخب اور نادر المضامین احادیثِ قدسیہ کا مجموعہ ہے۔ اس کے انتخاب اور کتابت کا سہرا خاندانِ سادات ہمدانیہ قصور و خیر پور ضلع بہاولپور کے جدِّ امجد حضرۃ مولانا العلامہ سید محمد زاہد شاہ ہمدانی ؒ کے سر ہے۔ اس سادہ، خوشخط اور قابلِ دید مجموعہ میں تمام احادیث ایسے ایسے عجیب مضامین پر مشتمل ہیں کہ آدمی ان کو پڑھتے ہوئے ایک عجیب سا تأثر محسوس کرتا ہے اور الایمان بین الخوف والرجاء کا صحیح مفہوم ذہن نشین ہونے لگتا ہے۔

کتاب کے آخری صفحہ پر صرف تین سطریں ہیں جو ایک اعتبار سے اس کتاب کی اصلی قدر اور اہمیت کی ضامن ہیں ان تین سطروں میں حضرۃ کاتب رحمۃ اللہ بایں الفاظ اختتام فرماتے ہیں۔

"تمام شد بتاریخ خامس، شہر شعبان المعظم سنہ الف ومأتان واربع من ہجری المقدس کاتبہ فقیر سید زاہد قصوری عفراللہ لہ والدیہ"

کاتبؒ کے مختصر حالات

حضرۃ مولانا سید محمد زاہد ہمدانی (متوفی ۱۲۱۵ھ) آپ کا سلسلۂ نسب امیر کبیر حضرۃ سید علی ہمدانی سے اٹھارویں پشت میں جا ملتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔ حضرۃ سید محمد زاہد ہمدانی بن سید قاسم بن سید اشرف بن سید ابو طالب بن سید مرتضیٰ بن سید

شاہ محمد بن سید جمال الدین بن سید عین الدین بن سید الیوب بن سید عبدالشکور بن سید بلولؒ بن قاضی سید منور بن حافظ سید محمد بن سید علاؤ الدین بن سید کمال الدین بن سید سیف الدین بن سید ابو جعفر بن سید ابوالحسن بن سید محمد بن زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین مظہر فیوضاتِ رحمانی امیر کبیر علیؒ ثانی حضرۃ سید علیؒ ہمدانی قدس اللہ سرہم العزیز۔

اس وقت قصور اور خیر پور ضلع بہاولپور میں جو ساداتِ ہمدانیہ آباد ہیں وہ سب حضرۃ مولانا سید زاہد ہمدانی ہی کی اولاد سے ہیں۔ ہمارے ممدوح اور زیرِ تبصرہ کتاب کے کاتبؒ کے متعلق جناب ڈاکٹر سید عبدالرحمان ہمدانی اپنی تصنیفِ لطیف" ہم اور ہمارے اسلاف" میں ص۲۰ پر لکھتے ہیں۔

حضرۃ مولانا سید محمد زاہد ہمدانی، حافظِ قرآن اور نہایت متبحرؒ عالم تھے اور اصول شریعت کے موافق فصلِ مقدمات کے واسطے شاہانِ دہلی کی طرف سے قاضی مقرر تھے اور قاضی لاہور قاضی سعد الدینؒ کے نائب تھے۔ علوم دینیہ اور ادب عربی میں دستگاہ رکھنے کے علاوہ خطِ نسخ کے پورے ماہر تھے"

قصور اور نواح قصور کے عوام وخواص کی تمام دینی و دنیاوی معاملات میں رہنمائی و دستگیری اور ان کی امداد و اعانت آپ کا بہترین مشغلہ تھا اور اس سلسلہ میں آپ کی ذات مرجع خلائق تھی۔ دین کے مسائل ہوں یا سیاسی اور عوامی معاملات کوئی روحانی مریض ہو یا جسمانی سب کو حضرۃ رحمۃ اللہ کے ہاں حاضر ہو کر اپنی مشکلات کا حل ملتا تھا۔

آپ کی تاریخ ولادت اور ابتدائی حالات کا کسی کو کچھ علم نہیں۔ آپ کی وفات ۱۲۱۸ھ میں ہوئی قصور کے مشہور قبرستان" قبرستان ملاں ٹکنا" میں آپ کا مزار موجود تھا لیکن قریباً ایک صدی پیشتر آنے والا ایک سیلاب اس قبرستان کو بھی بہا کر لے گیا اور آج کوئی ان کا نشان بتانے والا بھی موجود نہیں۔

(۲) التعلیقات علی عذاب القبر لشرح عقائد

یہ علم عقائد کی مشہور کتاب شرح عقائد نسفی کے باب عذاب القبر کی تعلیقات (حاشیہ) ہیں صاحب تعلیقات کا نام علامہ محمد عصمۃ اللہ بن محمود البخاری الدیوگڑھی العارفی ہے۔ افسوس کہ ان کے تفصیلی حالات معلوم نہ ہو سکے لیکن موصوف کی یہ تعلیقات اس بات کا بخوبی پتہ دیتی ہیں کہ علامہ موصوف اپنے وقت کے بہت بلند مرتبہ عالم ہوں گے۔

"عقائد" جیسے علم اور اس علم کی اس قدر بلند پایہ کتاب، پھر اس کتاب کے مشکل ترین باب "عذاب القبر" پر ایسی دلآویز اور دلنشین، واضح اور مدلل تعلیقات یا حاشیہ شاید ہی کوئی اور صاحب علم لکھ سکا ہو۔

(باقی بر صفحہ ۴۳)

علوم و فنون کا عظیم مرکز

جامعہ مدنیہ

(اجمالی تعارف)

محمود احمد عارف

یہ ایک واضح اور ناقابل انکار حقیقت ہے کہ دینی مدارس بقائے دین احیائے ملت اور اسلامی اقدار کے تحفظ و اشاعت کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ اسلام کے خلاف اٹھنے والے تمام فتنوں کی مدافعت و استیصال دینی مدارس ہی کرتے ہیں۔ ان ہی مدارس کے فضلاء کرام امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور اس مقدس فریضہ کی انجام دہی میں ہر طرح کی مشکلات خندہ پیشانی سے سہارتے ہیں۔ ان ہی کی بدولت آج تک دینِ اسلام اپنی صحیح شکل میں باقی ہے اور ان کے ہی دم قدم سے آج بھی لوگوں میں کسی نہ کسی درجہ میں قرآن و حدیث سے تعلق خوفِ خدا۔ اور اکابر و اسلاف کا احترام وغیرہ پایا جاتا ہے۔

اس وقت مملکت پاکستان میں مدارس کی کثرت کی وجہ سے بلندئ اخلاق، ایثار، عمل، قرآن وسنت سے محبت اور جذبۂ جہاد ان ممالک کی بہ نسبت کہیں زیادہ پایا جاتا ہے جن ممالک میں اسلامی مدارس کا یا تو سرے سے وجود ہی نہیں یا پھر صرف برائے نام ہے۔

اسلامی مدارس مذہب اسلام کے لئے حصار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دشمنانِ اسلام عرصہ دراز سے اسلام کو مسخ کرنے اور بگاڑنے کی جو ناپاک کوشش کر رہے ہیں یہ مدارس نہ ہوتے تو وہ اپنے مقصد میں کبھی کے کامیاب ہو گئے ہوتے۔

یہی وجہ ہے کہ آج دشمنانِ اسلام کی آنکھوں میں دینی مدارس بری طرح کھٹک رہے ہیں۔

جامعہ مدنیہ لاہور بھی ان مدارس میں سے ایک ہے جو دین حقہ کے تحفظ و اشاعت کی غرض سے معرض وجود میں آئے ہیں اس کا شمار ملک کے عظیم دینی اداروں میں ہوتا ہے اس کی ابتداء ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۵ء

ہیں ہوئی تھی۔ گویا اس وقت جامعہ زندگی کی چودہ بہاریں پوری کر کے پندرھویں میں داخل ہو رہا ہے۔ اس دوران اسے کٹھن سے کٹھن اور مشکل سے مشکل مرحلے بھی پیش آئے اراکین و منتظمین جامعہ مختلف الجھنوں سے دوچار رہے مگر خدائے بزرگ و برتر کی نصرت و امداد ہر موقعہ پر شامل حال رہی اور جامعہ بڑی تیزی کے ساتھ شاہراہ ترقی پر گامزن رہا۔

اس مختصر سے عرصہ میں جامعہ نے سینکڑوں علماء اور کثیر تعداد میں حفاظ اور قراء تیار کئے۔ اس وقت بفضلہ تعالےٰ جامعہ کی اپنی مستقل خوبصورت اور شاندار عمارت ہے جو تیس رہائشی کمروں دارالحدیث، مطبخ، ٹیوب ویل ٹینکی اور خوبصورت حوض پر مشتمل ہے دوسرے کمروں کی تعمیر بھی جاری ہے درس نظامی کا مکمل انتظام ہے ۲۸ افراد پر مشتمل عملہ مصروف کار ہے، اس سال ۱۹۷۰ء تقریباً پانچ سو طلبہ نے قابل و لائق اساتذہ کی زیر نگرانی مختلف شعبوں میں تعلیم حاصل کی۔ ان میں ایک سو ستر طلبہ کے خورد و نوش، وظائف کپڑوں اور دیگر جملہ مصارف کا جامعہ کفیل رہا۔

شہر کے مختلف مقامات پر جامعہ کی شاخیں بھی خدمتِ تعلیم میں مصروف ہیں۔ گذشتہ سال اس میں شعبۂ پرائمری سکول کا اجراء بھی کیا گیا۔ اس شعبہ سے تقریباً ۱۳۰ بچے مستفید ہوئے۔ جامعہ میں یونیورسٹی اور کالج کے طلبہ کو بھی رہائشی سہولتیں اس شرط پر دی جاتی ہیں کہ وہ دن بھر میں کم از کم ایک گھنٹہ دینی تعلیم پر صرف کریں جامعہ میں "افتاء" کا شعبہ بھی قائم ہے جس میں ملک و بیرون ملک سے آنیوالے فتوے حل کئے جاتے ہیں۔ مستقل وسائل نہ ہونے کے باوجود جامعہ نے ان چودہ سالوں میں جو گرانقدر اور ٹھوس علمی خدمات انجام دی ہیں ان پر نظر پڑتے ہی سرِ نیاز بارگاہِ بے نیاز میں سجدۂ شکر بجالانیکو بے اختیار جھک جاتا ہے اور بدن کا رواں رواں زبانِ حال سے خالق کائنات کی ستائش و توصیف میں رطب اللساں ہو جاتا ہے۔

جامعہ کے مہتمم اور بانی شیخ الاسلام حضرت مولانا السید حسین احمد مدنیؒ کے خلیفۂ ارشد حضرت مولانا الحاج الحافظ سید حامد میاں صاحب مدظلہم ہیں جو ایک متقدر عالم دین اور نہایت پارسا خوش خلق، فراخ حوصلہ اور مخلص و دیانت دار انسان ہیں بہترین اوصاف سے متصف ہونے کی بناء پر اکابر و مشائخ آپ سے بہت محبت رکھتے ہیں۔ ملک کے معروف بزرگ اور ولیٔ کامل قطب زماں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ جامعہ مدنیہ کے مہتمم مولانا حامد میاں کو میں اپنا چوتھا بیٹا سمجھتا ہوں"۔

اللہ پر توکل اور اعتماد آپ کی ایک نمایاں صفت ہے آپ نے انتہائی بے سروسامانی اور عسر کی حالت میں محض اللہ کے بھروسہ پر جامعہ کی تاسیس فرمائی۔ تاسیس کے بعد آپ کو بہت سی مشکلات کا سامنا ہوا مگر ہر بار توکل علی اللہ کے جذبہ سے سرشار ہو کر ان مشکلات کا مقابلہ کیا اور کامیابی و کامرانی نے آپ کے قدم چومے۔

آج خدا کے فضل وکرم سے جامعہ علوم اسلامیہ کا بہت بڑا مرکز ہے اور ملک کے کسی بھی مدرسہ سے یہ فیض رسانی میں پیچھے نہیں ہے چند ہی سالوں میں اس نے تعلیمی وتعمیری دونوں لحاظ سے شاندار ترقی کی ہے۔ سنینِ ماضیہ اس پر شاھد ہیں کہ ہر آنے والا سال جامعہ کے لئے ترقی وخوشحالی کا سال ثابت ہوا ہے اور اس کے ہر شعبہ میں نمایاں طور پر ترقی ہوتی رہی ہے۔ تعلیمی لحاظ سے تو یہ بہت سے مدارس پر فوقیت رکھتا ہے جیسا کہ شیخ المحدثین والمفسرین حضرت مولانا محمد رسول خاں صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں کہ "الحمدللہ آپ کے مدرسہ میں فنون کے مدرس قابل لائق فائق ہیں، پاکستان میں فنون کی تعلیم کا آپ کا مدرسہ بے نظیر ہے۔"

دعا ہے اللہ تعالیٰ علم وعرفان کے اس چشمہ کو ابدالآباد تک جاری وساری رکھے اور مخلوقِ خدا اس سے مستفید ہوتی رہے۔۔ آمین۔

مجوزہ منصوبے جامعہ کو مزید ترقی دینے کے پیش نظر درج ذیل منصوبے اراکین و منتظمین جامعہ کے زیر تجویز ہیں۔

دارالصنائع جامعہ میں ایسے دارالصنائع کی بہت ضرورت محسوس کی جارہی ہے جس میں متعلمین جامعہ جلد سازی صابون سازی، خطاطی، خیاطی اور دیگر دستکاریاں سیکھ سکیں۔ تاکہ علماء معاش کے سلسلہ میں دوسروں کے دست نگر نہ رہیں۔

ڈسپنسری جامعہ میں ایک ایسی ڈسپنسری کا ہونا بھی لازمی اور انتہائی ضروری ہے جس سے بیمار طلبہ اور محلہ کے غریب لوگ مفت دوا، حاصل کرسکیں۔

زنانہ ہائی سکول شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی نوراللہ مرقدہٗ (سرپرست اول جامعہ مدنیہ) نے انجمن خدام الدین کے تحت ایک زنانہ سکول جاری فرمایا تھا اور مدارس عربیہ کے لئے ایک مثال قائم کی تھی کہ ان کے تحت ایسے مدارس ہوں کہ جن میں بچیاں بھی اسکول کی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم سے مستفید ہوں جو بحمداللہ اب بھی آپ کے جانشین حضرت مولانا عبیداللہ انور مدظلہ کی زیرنگرانی کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔ ہمارا جامعہ شہر سے قدرے جُدا ہے اور اس کے محل وقوع کا تقاضا ہے کہ اسی طرح کا ایک تعلیمی شعبہ جامعہ کے تحت ہو جس میں دینی تعلیم کا معقول انتظام ہو اور اسکول کی تعلیم بھی دی جائے۔ سردست پرائمری سکول کا اجراء کیا گیا ہے خدا نے توفیق رحمت فرمائی تو بہت جلدی ہائی سکول کا قیام بھی عمل میں آجائے گا۔ (باقی صفحہ ۶۲)

روزہ کے مسائل

روزے میں نیّت کی ضرورت کا بیان

روزے میں نیّت شرط ہے (نیّت کے معنی دل کے ارادے کے ہیں) اگر روزے کا ارادہ نہیں کیا اور تمام دن کچھ کھایا پیا نہیں تو روزہ ادا نہیں ہوگا۔ رمضان کے روزے کی نیّت آدھے دن شرعی تک کر سکتا ہے۔ یعنی تقریباً ساڑھے گیارہ بجے تک، اس کے بعد اگر نیّت کرے گا تو معتبر نہ ہوگی۔ زبان سے نیّت کرنا فرض نہیں، لیکن بہتر اور مستحب یہ ہے کہ سحر کا کھانا کھا کر اس طرح نیّت کر لیا کرے۔ بصوم غد نویت من شهر رمضان بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نیّت کے بعد کھانا پینا جائز نہیں۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ بلکہ صبح صادق ہونے سے پہلے کھانا پینا وغیرہ بلاشبہ درست ہے۔ نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

اِن باتوں کا بیان جن سے روزہ نہیں جاتا

بھول کر کھانا پینا روزہ کو نہیں توڑتا۔ بلا اختیار، حلق میں گرد و غبار یا مکھی مچھر چلے جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ آٹا پیسنے والے اور تمباکو کوٹنے والے کے حلق میں جو آٹا وغیرہ اڑ کر جاتا ہے۔ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ کان میں پانی چلا جائے یا خود بخود قے آئے یا خواب کی غسل کی حاجت ہو جائے یا قے آ کر خود بخود لوٹ جائے۔ اِن سب باتوں سے روزہ نہیں جاتا اور کچھ خلل نہیں آتا۔ آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ نہیں جاتا۔ خوشبو سونگھنے سے کچھ خلل نہیں آتا۔ بلغم نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اگر قصداً قے کی، مگر تھوڑی سی (یعنی منہ بھر سے کم) تو روزہ نہیں جاتا۔ اگر روزہ میں کوئی بھول کر کچھ کھا پی رہا ہے اور قوی و تندرست ہے تو اس کو یاد دلا دینا ضروری ہے، اگر ضعیف و ناتوان ہے تو نہ یاد دلانا درست ہے۔ اگر خود بخود مسواک وغیرہ کرنے سے دانتوں سے خون نکلے۔ لیکن حلق میں نہ جائے تو روزہ میں خلل نہیں آتا۔ اگر دن کو سوتے ہوئے غسل کی حاجت ہو گئی تو روزہ میں ذرا بھی نقصان نہیں آتا۔

جن باتوں سے قضا واجب ہوتی ہے

کان میں، ناک میں دوا ڈالنا۔ قصداً منہ بھر قے کرنا منہ بھر قے آئی تھی۔ اِس کو نگل جانا۔ کلی کرتے ہوئے حلق میں پانی چلا جانا۔ یہ سب باتیں روزہ کو توڑنے والی ہیں۔ مگر صرف قضا آئے گی۔ کفارہ واجب نہیں۔ کنکر یا لوہے

تانبے وغیرہ کو نگل جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضا واجب ہوگی۔ کفارہ نہیں۔ رات سمجھ کر صبح صادق کے بعد سحری کھائی تو اس روزہ کی قضا واجب ہوگی۔ دن باقی تھا غلطی سے سمجھ کر کہ آفتاب غروب ہو گیا روزہ کھول لیا۔ تو صرف قضا واجب ہوگی۔ کفارہ نہیں۔ جان بوجھ کر (بدون بھولنے کے) صحبت کرنا، کھانا، پینا، روزہ کو توڑتا ہے اور قضا بھی آتی ہے اور کفارہ بھی۔ کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کیا جائے۔ اس کی طاقت نہ ہو تو متواتر ساٹھ روزے رکھنا۔ اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلانا۔

جن چیزوں سے روزہ مکروہ ہوتا ہے اور جن چیزوں سے مکروہ نہیں ہوتا

بلاضرورت کسی شے کو چبانا۔ قصداً منہ میں تھوک اکٹھا کر کے نگل جانا مکروہ ہے۔ تمام دن ناپاک رہنا سخت گناہ ہے اور روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔ فصد کرانا، پچھنے لگانا روزہ میں مکروہ ہے۔ غیبت، بدگوئی، لڑائی، جھگڑا روزہ کو مکروہ کر دیتے ہیں اور ثواب بہت کم رہ جاتا ہے۔ مسواک کرنا۔ سر پر یا موچھوں پر تیل لگانا، آنکھ میں دوا ڈالنا مکروہ نہیں۔ سرمہ لگانے یا سرمہ لگا کر سو جانے سے روزے میں خلل نہیں آتا۔ ناواقف لوگ جو مکروہ سمجھتے ہیں۔ بالکل غلط ہے۔ خوشبو سونگھنا مکروہ نہیں۔ اگر بیوی کو اپنے خاوند، نوکر کو اپنے آقا کے غصہ کا اندیشہ ہو تو کھانے کا نمک دیکھ کر تھوک دینا مکروہ نہیں۔ ورنہ مکروہ ہے۔

روزہ نہ رکھنے کی اجازت کا بیان

اگر مرض کی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو تو رمضان میں روزہ نہ رکھے۔ تندرستی کے وقت قضا کرے۔ اگر روزہ رکھنے کی وجہ سے مرض کے زیادہ ہو جانے کا خوف ہو۔ تب بھی روزہ چھوڑ دینا جائز ہے۔ پھر قضا رکھے۔ حاملہ کو اگر بچے یا اپنی جان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو روزہ چھوڑ دینا اور پھر قضا کر لینا جائز ہے۔ اپنے یا غیر کے بچے کو دودھ پلاتی ہو اور روزہ رکھنے کی وجہ سے ضرر ہو تو قضا کر لینا جائز ہے۔ چھتیس کوس یعنی انگریزی اڑتالیس میل کا سفر ہو یا اس سے زیادہ ہو۔ وہ سفر شرعی کہلاتا ہے۔ یعنی ایسے سفر میں مسافر کو اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے۔ واپس آنے کے بعد قضا کرے۔

اگر کوئی شخص کسی تیز سواری یا ریل میں دو تین گھنٹوں میں اڑتالیس میل پہنچ جاتے گا تو اس کے لیے بھی سفر کی رخصت یعنی نماز کا قصر اور افطار کی اجازت حاصل ہو جائے گی۔ بہت بوڑھا ضعیف جس کو روزہ میں نہایت شدید تکلیف ہوتی ہے۔ روزہ نہ رکھے اور ہر روزے کے بدلے پونے دو سیر گندم بوزن انگریزی مسکین کو دے لیکن

اگر پھر کبھی طاقت آجائے گی تو قضا رکھنی ضروری ہوگی۔ عورت کو اپنے معمولی عذر (یعنی حیض) کے ایام میں روزہ رکھنا جائز نہیں۔ اسی طرح پیدائش کے بعد جتنے روز خون آئے۔ جب خون بند ہو جائے۔ روزہ رکھنا چاہیے۔ جن لوگوں کو روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے۔ اُن کو بلا تکلف سب کے سامنے کھانا پینا نہیں چاہیے۔ بلکہ تعظیم رمضان المبارک لازم ہے۔

روزہ توڑنے کا بیان اور قضا رکھنے کا ذکر

فرض روزے کو بلا کسی شدید تکلیف اور قوی عذر کے توڑنا جائز نہیں۔ پس اگر ایسا سخت بیمار ہوگیا کہ روزہ نہ توڑے تو جان کا اندیشہ غالب ہے یا بیماری بڑھ جانے کا قوی احتمال ہے یا ایسی شدید پیاس لگی ہے کہ مرجائے گا تو روزہ توڑ ڈالنا جائز بلکہ واجب ہے۔ اگر کسی عذر سے روزے قضا ہو گئے ہوں تو جب عذر جاتا رہے تو جلدی ادا کر لینا چاہیے۔ مثلاً بیمار کو مرض سے صحت پانے کے بعد اور مسافر کو سفر سے آنے کے بعد جلد ادا کر لینا چاہیے۔ قضا رکھنے میں اختیار ہے کہ متواتر (یعنی لگاتار) رکھے یا جدا جدا متفرق۔

بقیہ : سادات - یہ کتاب بھی مولینا سید محمد زاہد ہمدانی قدس سرہٗ کی قلمی ہے۔ آپ کے حالات کا تذکرہ، مجموعہ احادیثِ قدسیہ کے کاتب کی حیثیت سے سطورِ بالا میں ہو چکا ہے۔ اس کتاب میں کچھ خصوصیات ایسی ہیں جو اس کو حضرۃ رحمۃ اللہ کے مخطوطات میں ہی امتیازی مقام دیتی ہیں۔ اولاً، یہ خطِ نسخ کی بجائے خطِ نستعلیق (خطِ فارسی) میں لکھی گئی ہے۔ ثانیاً یہ احادیثِ قدسیہ سے زیادہ ضخیم ہے۔ ثالثاً، اس کے آخر میں حضرۃ کاتب رحمۃ اللہ کے دستخط اور نقش نگیں ثبت ہیں۔ غرضیکہ یہ کتاب بھی حضرۃ سید محمد زاہد شاہ ہمدانی رحمۃ اللہ کی قلمی کتاب احادیث قدسیہ کی طرح اپنے خطّی محاسن، اپنی قدامت، اور مصنّف اور کاتب دونوں کی علمی شخصیتوں اور دوسری بہت سی خوبیوں کی بناء پر قابلِ دید اور نہایت قیمتی ہے۔ اب تک بہت سے مخطوطات کے شائق حضرات اور فن کتابت کے ماہرین ان دونوں کتابوں کو دیکھ کر اسکے کاتب رحمۃ اللہ کے کمالِ مہارۃ کی داد دے چکے ہیں۔ آج اس کتاب کی کتابت پر تقریباً ۱۵۰ برس گذر چکے ہیں لیکن اس کی حفاظت کرنے والوں کا ذوق اور ان کی ہمت بھی قابلِ تحسین ہے جس نے آج تک اس کو ذرا بھی گزند نہیں پہنچنے دیا۔

بقیہ : جامعہ مدنیہ

دارالمطالعہ

طلبا و عملہ کے افراد کو اخبارات و رسائل کے مطالعہ کی سہولت کے پیشِ نظر جامعہ میں دارالمطالعہ بھی قائم کیا جائے گا اس کے لئے ایک وسیع کمرہ اور اخبارات و رسائل کی فراہمی کا انتظام ہوگا۔ دعاء ہے حق تعالےٰ ان تمام ضروری منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کی جلد توفیق بخشے۔ آمین۔

جامعہ مدنیہ لاہور کی تعلیم و تعمیر کے متعلق چند جلیل القدر علماء کے تأثرات

گذشتہ ماہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم چند دنوں کیلئے لاہور تشریف لائے تھے، اسی دوران جامعہ مدنیہ میں بھی کئی بار آپکی تشریف آوری ہوئی۔ بخاری شریف کا ختم بھی آپ ہی نے کرایا۔ جامعہ کے تمام شعبوں کا جائزہ لینے کے بعد آپنے جامعہ کے متعلق جو رائے تحریر فرمائی وہ پیش خدمت ہے، نیز جامعہ کے ششماہی امتحان کے موقع پر بخاری شریف اور بعض دوسرے فنون کی کتابوں کا امتحان حضرت علامہ محمد رسول خان صاحب مدظلہ، اور تجوید و قراءت کا امتحان حضرت مولانا قاری اظہار احمد صاحب تھانوی نے لیا ہے۔ امتحان سے متعلق ان دونوں حضرات کے تأثرات بھی درج کیے جاتے ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ شمارہ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ مولانا اسعد مدنی اور بعض دوسرے بزرگوں کے آراء بھی شائع کیے جائیں گے۔

"حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم مہتمم دار العلوم دیوبند"

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

آج میں نے جامعہ مدنیہ میں صحیح بخاری شریف کے ختم میں شرکت کی۔ اور تعلیمی جائزہ کے ساتھ مدرسہ کی عمارت بھی دیکھی۔ دیکھ کر ازحد خوشی ہوئی۔ دو سال قبل بھی ختم بخاری شریف میں شرکت کی تھی۔ تعلیمی کیفیت اور تعمیری صورت سے اندازہ ہوا کہ کام پورے اخلاص اور تندہی سے ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اخلاص اور کام میں برکت عطاء فرمائے۔ آمین

اس امر سے بھی مسرت ہوئی کہ مخیر حضرات نے پوری توجہ سے کام لیا ہے۔ میں اہل خیر حضرات سے امید کرتا ہوں کہ وہ اپنی توجہ زیادہ سے زیادہ مبذول کر کے مدرسہ کی ترقی کا ذریعہ بنیں گے۔

ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین

محمد طیب غفرلہ مہتمم دار العلوم دیوبند۔ نزیل لاہور ۲۸ ستمبر ۱۹۷۰ء

شیخ المحدثین حضرت مولانا محمد رسول خانصاحب مدظلہم

الحمد للہ کہ جامعہ مدنیہ دین کی بہت بڑی خدمت کر رہا ہے۔ یہاں پر فنون کی اعلیٰ تعلیم ہوتی ہے۔ احقر نے کئی دفعہ بخاری شریف، قاضی مبارک، خیالی صدرا اور دوسری بڑی بڑی فنی کتابوں کا امتحان لیا۔ الحمد للہ طلبہ بہت قابل اور محنتی ہیں۔ بہت سے طلبہ نے امتحان میں اعلیٰ نمبر حاصل کیے۔ طلبہ کی قابلیت سے اُن کے اساتذہ کی

قابلیت انی دلیل سے ثابت ہوتی ہے

مَیں السید المحترم حضرت مولانا حامد میاں صاحب مدظلہ العالی مہتمم مدرسہ کو اس پر مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ ان کا مدرسہ فنون کی تعلیم میں بے نظیر ہے اور مدرسین لائق فائق ہیں۔ حق تعالیٰ مدرسہ کے معاونین کو دارین کی ترقی سے نوازیں۔ دینی علوم کے اس مرکز کو تادیر قائم فرمائیں۔ آمین یارب العالمین

محمد رسول خان عفا اللہ عنہ

استاذ القراء حضرت مولانا قاری اظہار احمد صاحب تھانوی مدظلہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور کے ششماہی امتحانات کے سلسلہ میں درجہائے تجوید و قرأت کے امتحان کے لیے اراکینِ جامعہ نے راقم الحروف کو تجویز کیا۔ حاضر ہوا۔ تمام طلبہ سے فرداً فرداً فنی کتابوں اور مشق و حدر میں پوری توجہ سے سُنا۔

شعبہائے تجوید میں استفادہ کرنے والے طلبہ کی مجموعی تعداد سو سے اُوپر ہے۔ پڑھنے میں ٹھہراؤ۔ ادا میں عربیت اور قابو یافتگی پائی جاتی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان طلبہ میں تلاوتِ قرآن کا ذوق ہے۔ اور اوقاتِ تعلیم کے علاوہ دیگر اوقات میں بھی مشق و ریاض میں مصروف رہتے ہیں۔ طلبہ کا یہ قرآنی شغف قابلِ رشک ہے۔ متعلقہ کتابوں پر اچھی نظر ہے۔ فنی مسائل کو سلجھا کر بیان کرتے ہیں۔

شعبہائے تجوید دونوں میں تعلیم کی اس نمایاں کامیابی کا سہرا متعلقہ اساتذہ مولانا حافظ قاری عبدالرحمٰن ڈیروی اور حافظ قاری عبدالرحمٰن تونسوی صاحبان کے سر ہے۔ جن کی انتھک محنتوں سے ان عربی خوان طلبہ میں تجوید و قرادت کا یہ جذبہ پایا جاتا ہے۔ تعلیم اپنے اسی معیار پر قائم رہی تو اُمید رکھنا چاہئے۔ کہ تجوید و قرأت کے تعلیمی مراحل سے تکمیل کی بلندیوں پر بھی فائز ہو سکیں گے۔ انشاء اللہ۔ جامعہ کی اس معیاری تعلیم اور اس کی کامیابی پر جامعہ کے فاضل اور نیک سیرت جناب مولانا حامد میاں صاحب مدظلہم قابل مبارکباد ہیں کہ انہیں کے حسنِ اہتمام سے جامعہ تعلیمی اعتبار سے بھی اور طلبہ کی اخلاقی تربیت کے لحاظ سے چند منفرد اور ٹھوس اداروں میں سے ہے۔

جامعہ کی بقاء و ترقی میں حصہ لینا قومی فریضہ ہے تاکہ دینی علوم کی زیادہ سے زیادہ ترویج و اشاعت ہو جس کی اس دورِ الحاد میں بیحد ضرورت ہے۔

اظہار احمد تھانوی صدر شعبۂ تجوید و قرأت مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار لاہور

۲ جمادی الاوّل ۱۳۹۰ھ ۷/۷/۷۰